Najjaytani

''اماں......! اماں......! ایک جگہ سے انٹرویو کال آگئی۔'' وہ آنگن ہی سے چلاتی ہوئی اندر آئی تو اس کے ہاتھ میں لفافہ دیکھ کر اماں نے اشتیاق سے پوچھا۔

''عبید کا خط ہے کیا......؟''

اس کی خوشی پل میں غائب ہوگئی اور فوراً جواب بھی نہیں دے سکی۔ سر جھکا کر لفافہ اُلٹ پلٹ کر دیکھنے لگی اور بھابی نے کچن ہی سے اس کے ہاتھ میں لفافہ دیکھ لیا تھا۔ وہ بھی کام چھوڑ کر اس کے پیچھے چلی آئیں اور اب دروازے میں کھڑی اس کے جواب کا انتظار کر رہی تھیں۔

''بتاؤ ناں......! کس کا خط ہے......؟'' اماں نے حد درجہ بے صبری کا مظاہرہ کیا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

''بھیا کا نہیں ہے۔'' بھابی اس کا جواب سنتے ہی واپس پلٹ گئیں اور اماں نے بے دلی سے پوچھا۔

''پھر کس کا ہے......؟''

''کسی کا نہیں ہے۔ ایک جگہ نوکری کی درخواست دی تھی انہوں نے انٹرویو کے لئے بلایا ہے۔'' اماں ہی کی طرح اس نے بھی بے دلی سے جواب دیا اور لفافہ کھولنے لگی۔ کتنی جگہ اپلائی کر رکھا تھا اس نے اور کتنا انتظار تھا کہ کہیں سے تو کال آئے اور اب اس لفافے نے کتنی ہلچل مچا دی تھی۔ اماں اور بھابی جتنی مشتاق تھیں، اتنی ہی مایوس نظر آرہی تھیں اور اگر پہلے مرحلے پر اسے پتا نہ چل جاتا تو اس کی اپنی بھی یہی کیفیت ہوتی۔ بہرحال انٹرویو کی تاریخ دیکھ کر اس نے کاغذ دوبارہ لفافے میں ڈالا پھر اماں سے پوچھنے لگی۔

''اماں......! بھیا کو گئے ہوئے کتنے دن ہوگئے ہیں......؟''

''دن......؟'' اماں نے تعجب سے اسے دیکھ کر کہا۔

''پورے چھ مہینے ہوگئے ہیں۔''

''چھ مہینے......؟'' وہ سوچ میں پڑ گئی اور اماں اپنے آپ بولنے لگیں۔

''اتنا غیر ذمہ دار تھا تو نہیں...... دیکھو باہر جا کر سب بھلا بیٹھا ہے۔ ایک خط خیریت کا نہیں لکھا۔ اگلے مہینے خیر سے نبیلہ کی گود بھرنے والی ہے اس کا بھی کوئی خیال نہیں۔''

''ہاں......! بھابی بیچاری بہت پریشان ہیں۔''

"پریشانی کی بات نہیں ہے کیا......؟ یہاں تو ہر دم اس کے آگے پیچھے پھرتا تھا اور اب......" بھابی کو آتے دیکھ کر اماں خاموش ہو گئیں اور وہ زبردستی مسکرا کر بولی۔

"آئیں بھابی......! آپ کن کاموں میں اُلجھی ہوئی ہیں......؟"

"بس......! دو چار برتن رکھے تھے وہی دھو رہی تھی۔ تم بتاؤ......! کس کا خط ہے......؟" بھابی پہلے سن چکی تھیں کہ عبید کا خط نہیں ہے اس لئے سرسری انداز میں پوچھا اور اس بار اس نے خوشی سے جواب دیا۔

"انٹرویو لیٹر ہے......کل جانا ہے۔"

"تم جاب کرو گی......؟" بھابی نے یونہی عام سے لہجے میں پوچھ لیا اور وہ ذرا سا ہنس کر بولی۔

"کیوں......؟ کیا میں جاب نہیں کر سکتی......؟" حالانکہ یہ واقعی اس کے لئے بہت مشکل تھا کیونکہ وہ خاصی ڈرپوک اور بزدل قسم کی لڑکی تھی اور بھابی نے بھی شاید اس لئے پوچھا تھا۔ جواباً وہ ہنسی اور بھابی تو خاموش ہو رہیں لیکن اماں بول پڑیں۔

"کیوں نہیں کر سکتی......؟ ماشاء اللہ پڑھی لکھی سمجھدار ہو۔ اگر وقت پر تعلیم کام نہ آئے تو پھر کیا فائدہ ایسی تعلیم کا یوں بھی گھر میں بے کار بیٹھی رہتی ہو۔" وہ چپ چاپ سنتی رہی۔

پھر سارا دن وقفے وقفے سے اماں اس سے ایسی باتیں کر کے اسے حوصلہ دیتی رہیں کیونکہ وہ اسے بہت اچھی طرح جانتی تھیں۔ اسکول و کالج میں بھی بڑی مشکل سے جاتی تھی۔ اگر اماں سختی نہ کرتیں تو شاید ابتدائی کلاسوں کے بعد ہی وہ گھر بیٹھ جاتی اور اس وقت اماں نے یہ تو نہیں سوچا تھا کہ اسے نوکری کرنی ہے۔ بس ان کی خواہش تھی کہ ان کے بچے خوب پڑھ لکھ جائیں۔

بڑے عبید بھیا تھے۔ بی کام کے بعد ان کا اپنا ارادہ بھی مزید پڑھنے کا تھا لیکن ابا کے انتقال کے باعث انہیں تعلیم کو خیرباد کہنا پڑا اور انہوں نے جاب کر لی۔ اس وقت وہ انٹر میں تھی اور اسے پڑھنے کا شوق تو تھا لیکن وہ باہر نکلنے سے بہت گھبراتی تھی۔ اس کی بھی وجہ تھی۔ بہت چھوٹی سی تھی غالباً پانچ چھ سال کی۔ ایک روز باہر کھیلتے ہوئے گھر سے کچھ دور نکل گئی۔ کھیل کے دوران تو احساس نہیں ہوا لیکن جب سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تب اسے اپنا گھر کہیں نظر نہیں آیا۔ ایک ہی جیسی گلیاں تھیں۔ وہ اِدھر سے اُدھر بھٹکتی پھری جب تھک گئی تو رونے لگی۔ ایک آدمی نے قریب آ کر رونے کا سبب پوچھا پھر بہلایا کہ وہ اسے اس کے گھر پہنچا دے گا اور پھر بجائے اسے گھر پہنچانے کے گود میں اُٹھا کر کسی اور ہی راستے پر چل نکلا۔ یقیناً بردہ فروش تھا۔ وہ تو اس کی قسمت اچھی تھی، کہ محلّے کے کسی آدمی نے دیکھ لیا اور کیونکہ بردہ فروش بھی شکل ہی سے کچھ مشکوک لگ رہا تھا اس لئے محلّے کا آدمی نظرانداز نہیں کر سکا۔ اسے روک کر پوچھا کہ بچی کو کہاں لے جا رہے ہو اور وہ اس قدر گھبرایا کہ اسے پھینک کر بھاگ کھڑا ہوا تھا۔

پھر وہ گھر تو پہنچ گئی تھی لیکن جس طرح وہ ماجرا سن کر اماں نے اسے ڈرایا دھمکایا تو اس وقت سے اس کے اندر ایک خوف بیٹھ گیا تھا۔ جسے بعد میں خود اماں بھی نہیں نکال سکیں۔ ابھی تک راستہ چلتے ہوئے اسے یوں لگتا جیسے ہر شخص اس کے تعاقب میں آ رہا ہو۔ اسکول میں میٹرک تک ابا خود اسے چھوڑ کر آتے تھے اور واپسی میں بھیا لے کر آتے۔ اس کے بعد ابا نے ایک نئے علاقے میں اپنا گھر خرید لیا۔ یوں وہ پرانا محلّہ چھوٹ گیا اور نئی جگہ سے

ایک دو لڑکیاں کالج جانے والی مل گئیں تو وہ ان کے ساتھ آنے جانے لگی۔ کسی دن وہ لڑکیاں زہرا اور شبینہ چھٹی کر لیتیں تو اس کی بھی چھٹی ہو جاتی تھی۔ اماں لاکھ ڈانٹتیں کہ آخر کب تک دوسرے کے سہارے چلو گی......؟ لیکن اس کا ایک ہی جواب ہوتا۔ بس میں اکیلی نہیں جا سکتی۔

پھر ابا کے انتقال کے بعد جہاں بھیا کی پڑھائی چھوٹ گئی وہاں اس نے بھی سوچا تھا کہ گھر بیٹھ جائے، لیکن اماں نے اسے گھر نہیں بیٹھنے دیا۔ بی اے کروا کے دم لیا اور لیکن اللہ کی مہربانی سے بھیا کو جلد ہی نوکری مل گئی اور اماں نے بھیا کی شادی کرنی پڑی۔ حالانکہ ان کا خیال پہلے اس کی شادی کرنے کا تھا لیکن نبیلہ جو اماں کی بھانجی تھی، پانچ سال کی عمر میں اس کی اماں کا انتقال ہو گیا تھا اور کچھ ہی عرصے بعد اس کے ابا نے دوسری شادی بھی کر لی۔ دوسری ماں روایتی سوتیلی ماں ثابت ہوئی۔ اس وقت اماں نے چاہا تھا کہ نبیلہ کو اپنے پاس لے آئیں لیکن اس کے ابا نے منع کر دیا تھا اور ظاہر ہے اماں زبردستی تو کر نہیں سکتی تھیں لیکن اسی وقت انہوں نے سوچ لیا تھا کہ نبیلہ کو بہو بنا کر لے آئیں گی اور گو کہ ابھی اس کا وقت تو نہیں آیا تھا کیونکہ وہ ابھی وہ بی اے سے فارغ ہوئی تھی کہ اماں کو بھیا کی شادی کرنی پڑی۔ پہلے اپنی بیٹی سے فارغ ہونا چاہتی تھیں لیکن ایک روز نبیلہ خود ہی چلی آئی اور اس نے رو رو کر اماں کو بتایا کہ اس کی ماں ایک بڈھے سے اس کی شادی کر رہی ہے۔ تب اماں کو اور تو کچھ نہیں سوجھا اسی وقت محلّے کے چند لوگوں کو بلا کر عبید اور نبیلہ کا نکاح کر دیا۔

بعد میں نبیلہ کے اماں ابا لینے آئے لیکن اس وقت ان کا بس نہیں چلا۔ کیونکہ لڑکی اپنی مرضی سے شوہر کو پیاری ہو چکی تھی اور یہ کوئی سال بھر پہلے کی بات تھی۔ اس وقت عبید بھیا باہر جانے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے اور وہ ہرگز شادی کرنے کے حق میں نہیں تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ ابھی بیوی بچے افورڈ نہیں کر سکتے پہلے باہر جائیں گے۔ دو تین سال کے بعد یہاں آ کر اپنا کاروبار کریں گے اس کے بعد پہلے بہن کو رخصت کریں گے پھر اپنی شادی کا سوچیں گے۔ لیکن وہی بات کہ تقدیر کے سامنے انسان بے بس ہے خواہ کچھ بھی سوچ لے ہوتا وہی ہے جو اُوپر والے نے لکھ دیا۔

پہلے ابا کے انتقال کے باعث تعلیم چھوٹی اور اب اماں نے شادی کی زنجیر پہنا دی۔ لیکن یہ بھی ہے کہ ہر بار انسان مجبور ہو کر بیٹھ نہیں جاتا۔ عبید بھیا جو شادی کے حق میں نہیں تھے، نبیلہ کو پا کر گویا انہیں اپنی منزل مل گئی۔ ابتدائی دو مہینے تو وہ بڑے خوش اور مگن سے تھے پھر جب نبیلہ اُمید سے ہوئی تو غالباً نئی ذمے داری کو سوچتے ہوئے انہیں وسائل کم لگنے لگے اور وہ ایک بار پھر باہر جانے کی تگ و دو میں لگ گئے۔ گو کہ اب اماں نہیں چاہتی تھیں کہ وہ باہر جائیں اور نبیلہ کا تو رو رو کر برا حال تھا لیکن ان پر دُھن سوار ہو چکی تھی۔ اماں کے سامنے اپنی ذمہ داریاں گنواتے اور نبیلہ کو بہلاتے۔ تمہاری گزشتہ زندگی میرے سامنے ہے۔ کبھی کوئی سکھ نہیں دیکھا تم نے۔ اب میں تمہیں اچھی اور آسودہ زندگی دینا چاہتا ہوں۔ دو تین سال کی بات ہے گزرتے پتا بھی نہیں چلے گا اور نبیلہ جسے ایک عمر کے بعد محبت ملی تھی، وہ ہرگز بھی اس میں دو تین سالوں کا وقفہ نہیں چاہتی تھی اور عبید پر اگر اس کی گریہ وزاری کا اثر ہوا بھی تب بھی انہوں نے اپنا جانے کا ارادہ ملتوی نہیں کیا۔ باہر بھیجنے والی مختلف کمپنیوں کے چکر لگاتے رہے لیکن وہ سب جتنا پیسہ مانگتی تھیں وہ ان کے پاس نہیں تھا۔ پھر ایک ایجنٹ سے ان کی ملاقات ہوئی جس نے کمپنیوں کی نسبت کم پیسہ مانگا لیکن آگے ملازمت کی ذمہ داری نہیں لی اور انہوں نے سوچا بس ایک بار

باہر نکل جائیں آگے ملازمت وہ خود تلاش کرلیں گے۔ یوں سب کو اچھے دنوں کی آس دلا کر وہ رخصت ہو گئے۔

اور جب تک انہیں روکنا اختیار میں تھا اماں اور نبیلہ نے ہر حربہ استعمال کیا لیکن جب وہ چلے گئے تو پھر ظاہر ہے وہی آس کی ڈوری ہی رہ جاتی تھی جو وہ تھما گئے تھے اور آنکھیں بھی وہی خواب دیکھنے لگیں جن کی جھلک وہ دکھا گئے تھے۔

انہوں نے بتایا تھا کہ یہاں سے سنگاپور اور وہاں سے جانے کس راستے سے وہ ملائیشیا جائیں گے اور اسی حساب سے دسویں دن سے اماں نے خط کا انتظار شروع کر دیا اور نبیلہ تو جہاں دروازے پر آہٹ ہوتی بھاگی جاتی لیکن پتا نہیں کیا بات تھی کہ چھ مہینے ہو گئے تھے اور ابھی تک خیریت سے پہنچنے کا خط بھی نہیں آیا تھا۔ تشویش کی بات تو تھی۔ سو اندیشے اُٹھتے، ڈراتے لیکن کوئی کیا کر سکتا تھا......؟ ان کی فکر...... پھر یہاں گھر میں ایک وہی کمانے والے تھے۔

لاکھ فکریں ہوں پیٹ تو روٹی مانگتا ہے۔ یوں ان کے جانے کے دو مہینے بعد ہی اماں کو زیادہ گھر کی فکر ستانے لگی۔ اگر وہ خود سلائی کڑھائی میں ماہر ہوتیں تو بہت خاموشی سے مشین سنبھال لیتیں۔ انہیں سلائی آتی تو تھی لیکن وہی گزارے والی بات تھی کہ اپنے کپڑے خود ہی سی لیے۔ بہر حال بہت سوچنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچیں کہ آخر ربیعہ کی تعلیم کس دن کام آئے گی لیکن اس کے ساتھ وہی مسئلہ تھا کہ وہ گھر سے نکلتے ہوئے ڈرتی تھی۔ پہلے وہ یہی کہتی رہی کہ نوکری کرنا اس کے بس سے باہر ہے۔ لیکن پھر گھر کے حالات کو دیکھتے ہوئے اسے خود میں تھوڑی ہمت پیدا کرنی پڑی۔ ظاہر ہے اور کون تھا۔ گزشتہ دو مہینوں سے وہ کتنی جگہوں پر درخواستیں بھیج چکی تھی اور آج پہلی بار انٹرویو کال آئی تھی تو جہاں وہ خوش تھی وہاں اس کا ڈر بھی ساتھ ساتھ تھا۔ اماں کے سامنے تو کچھ نہیں کہا البتہ رات میں جب کپڑے استری کرنے کھڑی ہوئی تو دبے لفظوں میں نبیلہ سے کہنے لگی۔

"بھابی......! میں جاؤں گی کیسے......؟" نبیلہ اپنا بستر صاف کرنے میں لگی تھی، سمجھی نہیں وہ کس حساب سے کہہ رہی ہے جب ہی بڑے آرام سے بولی۔

"بس سے......!"

"افوہ......! بس سے تو جاؤں گی لیکن اکیلی کیسے......؟"

"ہائیں......؟" نبیلہ کمر پر ہاتھ رکھ کر سیدھی کھڑی ہوئی پھر اسے دیکھ کر ہنسنے لگی۔

"ہنسنے کی نہیں ہو رہی۔" وہ پیٹھ موڑ کر جلدی جلدی استری کرنے لگی۔

"تم نے بات ہی ایسی کی کہ ہنسی آ گئی ورنہ کس کم بخت کا ہنسنے کو دل چاہتا ہے۔" نبیلہ اپنی جگہ پر لیٹتے ہوئے بولی اور قدرے توقف کے بعد پھر کہنے لگی۔

"واقعی......! یہ تم پر ظلم ہے اور عبید کو معلوم بھی تھا کہ اس گھر میں لائن سے تینوں عورتیں کچھ نہیں کر سکتیں پھر بھی اس طرح چھوڑ کر چلے گئے۔"

"میرا خیال ہے بھیا گئے ہی اسی لئے ہیں کہ ہم کچھ کرنا سیکھ جائیں۔" نبیلہ کے لہجے کا تاسف محسوس کر کے اس نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

"نہیں ربیعہ......! یہ تو خود کو بہلانے والی بات ہے۔"

"اچھا چھوڑیں یہ بتائیں...... آپ کے خیال میں مجھے نوکری مل جائے گی......؟" اس نے خوبصورتی سے موضوع بدلا۔

"میں کیا کہہ سکتی ہوں......؟ ویسے تمہارا اپنا کیا خیال ہے......؟"

"کیوں......؟"

"اس لئے کہ وہاں اور بھی لڑکیاں ہوں گی اور ظاہر ہے میں جب ڈھنگ سے بات ہی نہیں کر سکوں گی تو......" اس نے مایوسی سے نفی میں سر ہلایا۔

"بے وقوف ہو تم......! خواہ مخواہ ڈرتی ہو۔ بس ذرا سا اپنے اندر اعتماد پیدا کر لو پھر تمہاری طرح کوئی بول نہیں سکتا۔" نبیلہ نے اس کی ہمت بندھائی۔

"سچ کہہ رہی ہیں......؟"

"بالکل سچ......!"

"بس تو کل میری نوکری پکی۔" وہ کہتے ہوئے اپنی جگہ پر آلیٹی۔

○○○

وہ مطلوبہ ایڈریس پر پہنچ گئی تھی لیکن جو اس کی حالت تھی یہ وہی جانتی تھی۔ ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو رہے تھے اور چہرے سے گرم بھاپ نکل رہی تھی۔ بار بار ٹھنڈے ہاتھوں سے چہرہ تھپتھپاتی اپنی باری کا انتظار کرنے لگی۔ دل ہی دل میں قرآنی آیات کا ورد بھی کر رہی تھی۔ حقیقتاً بڑا مشکل وقت تھا خصوصاً اس کے لئے۔ کتنی بار دل چاہا یہیں سے واپس پلٹ جائے لیکن حالات اب ایسے ہو گئے تھے کہ اگر ایک مہینہ اور آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ بنا تو یقیناً فاقوں کی نوبت آ جائے گی۔ پھر اگلے مہینے نبیلہ کے ہاں ولادت بھی ہونے والی تھی۔

(پتا نہیں کیا ہوگا......؟)۔ وہ یہی سوچ کر کڑھ رہی تھی کہ اس کا نام پکارا گیا۔ چونک کر کھڑی ہوئی اور اندر جاتے ہوئے سچ مچ اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔

"تشریف رکھیے......!"

بیٹھنے کو کہا گیا تو وہ محض خود کو گرنے سے بچانے کی خاطر فوراً بیٹھ گئی۔ اس کے بعد پتا نہیں کیا کیا سوال ہوئے وہ غائب دماغی سے جواب دیتی رہی۔ پھر اس نے محسوس کیا اچانک خاموشی چھا گئی ہے۔ کچھ ڈرتے ڈرتے پلکیں اُٹھائیں تو سامنے بیٹھا شخص پُر سوچ انداز میں اس پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ وہ مزید نروس ہو گئی اور راہِ فرار بھی ڈھونڈنے لگی لیکن خود سے اُٹھ کر جانے کی ہمت نہیں تھی۔

"ہوں......!" کتنی دیر بعد "ہوں" کی صورت گہری سانس کھینچی پھر اسے مخاطب کیا گیا۔

"مس ربیعہ......!" وہ خود پر قابو پانے میں بری طرح ناکام ہو رہی تھی۔ بڑی مشکل سے "جی" کی آواز نکال سکی۔

"آپ پلیز......! وہاں تشریف رکھیں، میں ابھی آپ سے بات کرتا ہوں۔" اس نے اشارے کی سمت بائیں طرف دیکھا پھر اُٹھ کر وہیں آ بیٹھی۔ عجیب سی اُلجھن، سمجھ میں نہیں آ رہا تھا یہاں کیوں بٹھایا گیا ہے......؟ اور مزید کیا بات کرنی ہے......؟ جبکہ دوسری لڑکیاں تو سوال جواب کے بعد باہر جا رہی تھیں۔ وہ بے دھیانی میں

اس شخص کو دیکھنے لگی۔ اچھا خاصا ادھیڑ عمر، کنپٹیوں پر بال سفید البتہ چہرے پر تفکرات کی لکیریں نہیں تھیں۔ پھر جس شائستگی سے وہ لڑکیوں سے بات کر رہا تھا، اس سے دھیرے دھیرے اس کے اندر کا خوف کم ہونے لگا۔ جب تمام لڑکیوں کے انٹرویو ہو چکے تب پھر اس کی باری آئی۔

"آیئے بی بی......! یہاں آجائیں۔" اور اس بار وہ قدرے سہولت سے اُٹھ کر ان کے سامنے آبیٹھی تو انہوں نے ہلکے پھلکے انداز میں پوچھا۔

"یہ بتایئے یہاں آتے ہوئے آپ اتنا ڈر کیوں رہی تھیں......؟"

"اب تو نہیں ڈر رہی۔" وہ جھینپی بے ساختگی سے بولی انتہائی بے ساختہ ان کا قہقہہ تھا۔

"ویری گڈ......!" کچھ دیر تک اسی انداز میں اثبات میں سر ہلاتے رہے پھر سنجیدہ ہو کر کہنے لگے۔

"ایسا ہے بی بی......! کہ جس جاب کے لئے آپ نے اپلائی کیا ہے اس کے لئے آپ بالکل سوٹ نہیں کرتیں۔ مجھے بہت ایکسپرٹ لڑکی چاہئے۔"

"جی......؟" اس نے مایوسی سے سر جھکا لیا تو قدرے توقف سے کہنے لگے۔

"آپ کو میں ایک اور جاب آفر کر سکتا ہوں لیکن شاید اس کے لئے آپ راضی نہ ہوں......؟" اس نے فوراً سر اُٹھا کر یوں دیکھا جیسے کہہ رہی ہو۔ آپ بتائیں تو سہی۔ اور اس کے اس انداز سے وہ سمجھ گئے کہ وہ واقعی ضرورت مند ہے۔ اچھی تنخواہ کے عوض ان کی آفر قبول کر لے گی اور کیونکہ پہلے سے ان کے ذہن میں باقاعدہ کوئی پلان نہیں تھا۔ بس ابھی اسے دیکھ کر ہی ایک خیال آیا تھا۔ جب ہی انہوں نے فوراً کچھ کہنے سے گریز کیا اور انٹرکام پر چائے کا کہہ کر کمرے سے نکل گئے تو اس نے بہت ڈھیلے ڈھالے انداز میں سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا اور خود ہی سوچنے لگی۔

(پتا نہیں کیا کام ہے......؟ جس کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ میں راضی نہیں ہوں گی)۔

کچھ دیر بعد دروازے پر آہٹ سن کر وہ سیدھی ہو بیٹھی۔ ان کے پیچھے چپڑاسی چائے لئے آ رہا تھا۔ وہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگی تو وہ چائے کی طرف اشارہ کر کے بولے۔

"پلیز......!" اس نے خاموشی سے کپ اپنی طرف کھسکا لیا اور ایک دو سپ لینے کے بعد انہیں دیکھا تو وہ پھر اسی پُرسوچ انداز میں اس پر نظریں جمائے بیٹھے تھے۔ اس کے دیکھنے پر کہنے لگے۔

"ہاں بی بی......! پہلے تو میں یہ کہوں گا کہ اس وقت میں جو کہنے جا رہا ہوں وہ بات صرف آپ کے اور میرے درمیان رہے گی خواہ آپ ایگری کریں یا نہ کریں......او۔کے......؟" اس نے ذرا سا اثبات میں سر ہلا دیا۔ جبکہ اس کا دل اندر ہی اندر بیٹھنے لگا تھا کہ پتا نہیں ایسی کیا بات ہے......؟ اور قدرے توقف سے وہ کہنے لگے۔

"میرا ایک بیٹا ہے۔ سال بھر پہلے تک وہ بہت خوبصورت نوجوان تھا۔ ویل ایجوکیٹڈ اینڈ ویل ایٹی کیٹیڈ۔ اپنے حلقے میں بے حد مقبول میرا خیال ہے۔ آپ سمجھ سکتی ہیں کہ ایک بڑے خاندان کا لڑکا جو خوبصورت بھی ہو، تعلیم یافتہ بھی ہو اور دولت مند بھی کس طرح لوگ اسے سراہتے ہوں گے۔ لہٰذا مختصراً میں آپ کو بتاتا ہوں کہ سال بھر پہلے وہ اپنے کسی دوست کی لیبارٹری میں اس کے ساتھ کھڑا تھا کہ وہاں اس کے ساتھ ایک حادثہ

ہو گیا۔ کسی کیمیکل کی تیاری کے دوران بوتل پھٹ گئی اور میرا بیٹا جو قریب ہی کھڑا تھا، سارا کیمیکل اُڑ کر اس کے چہرے کو بری طرح جھلسا گیا۔ پھر گو کہ علاج سے وہ ٹھیک تو ہو گیا لیکن اس کے چہرے کی ہیئت ہی بدل گئی۔ مجھے یہ کہتے ہوئے دُکھ ہوتا ہے کہ عام آدمی اسے دیکھ کر اگر ڈرتا نہیں تو منہ ضرور پھیر لیتا ہے۔"

وہ گہری سانس لے کر کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گئے یوں جیسے بیٹے کا دُکھ رگ رگ میں سرایت کر رہا ہو۔ وہ اسی خاموشی سے ان پر نظریں جمائے بیٹھی رہی جبکہ اندر دل کی رفتار اور مدھم ہوئی جا رہی تھی۔ بالکل اسی طرح جیسے بچپن میں کہانی کے دوران اچانک خوفناک جن کی آمد پر اس کی کیفیت ہوتی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ پھر گویا ہوئے۔

"وہ جو بہت مقبول تھا لوگ اس سے محبت بلکہ جان دینے کے دعوے کرتے تھے، وہ سب اس سے دُور ہو گئے اور دوستوں کی بے اعتنائیوں نے اسے بری طرح توڑ کر رکھ دیا ہے اور بات صرف دوستوں کی نہیں عام آدمی بھی اسے دیکھ کر منہ موڑ لیتا ہے۔ اپنے لئے لوگوں کا یہ رویہ دیکھ کر وہ اتنا دلبرداشتہ ہوا کہ خود کو اپنے کمرے تک محدود کر لیا۔ ابھی بھی وہ کہیں آتا جاتا نہیں ہے۔ نہ ہی گھر میں کسی کی آمد پسند کرتا ہے۔ عجیب بدمزاج سا ہو گیا ہے۔ اُکھڑا اُکھڑا اپنے آپ سے اور ساری دُنیا سے خفا سا لگتا ہے۔ حالانکہ سرجری سے اس کا چہرہ ٹھیک ہو سکتا ہے لیکن وہ اس پر تیار نہیں ہوتا۔"

وہ یوں بول رہے تھے جیسے اپنے آپ سے باتیں کر رہے ہوں اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ یہ سب اسے کیوں بتا رہے ہیں......؟ ابھی وہ خود سے قیاس کرنے لگی تھی کہ وہ کہنے لگے۔

"اس کی تنہائی کے خیال سے میں نے سنی کو اپنے پاس رکھ لیا ہے۔ سنی میرا نواسہ ہے، چھ سال کا چھوٹا بچہ اور میرا بیٹا اس کے ساتھ قدرے خوش رہتا ہے۔"

"ایکس کیوز می سر......!" وہ بے حد اُلجھن محسوس کر رہی تھی۔ بالآخر بول پڑی۔

"میری جاب کیا ہے......؟"

"آپ کو میرے گھر جانا ہے اور آغا کو دیکھ کر نہ تو ڈرنا ہے اور نہ منہ موڑنا ہے بلکہ اپنے رویے سے آپ کو اسے یقین دلانا ہے کہ وہ قابلِ نفرت نہیں ہے۔"

"جی......؟" وہ کچھ سمجھی کچھ نہیں سمجھی، اور وہ اس خیال سے کہ کہیں وہ صاف انکار نہ کر دے، کہنے لگے۔

"یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں ہے......؟ پھر آپ کو جاب کرنی ہے اور یہی آپ کی جاب ہے۔"

"جاب......؟" وہ پریشان ہو گئی۔ بھلا یہ کیا جاب ہوئی......؟ اور وہ کچھ دیر تک اسے دیکھتے رہے شاید اپنی بات ٹھیک سے سمجھا نہیں سکے تھے اسی خیال کے تحت کہنے لگے۔

"دیکھیں بی بی......! میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ آپ کو کہیں اور جاب نہیں ملے گی لیکن بہت مشکل سے ملے گی۔ اس لئے کہ ایک تو آپ سمپل گریجویٹ ہیں، دوسرے آپ کے پاس تجربہ نہیں...... پھر نہ کوئی کورس کیا ہے آپ نے...... تو اس حساب سے کوئی پرائیویٹ اسکول ہی آپ کو ٹیچر رکھ سکتا ہے اور میں سمجھتا ہوں پرائیویٹ اسکول کی جاب سے جاب لیس ہونا بہتر ہے جس سے ایک اکیلے انسان کی ضروریات پوری نہیں ہو سکتیں۔ خیر یہ الگ بات ہے۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس جاب سے آپ نہ صرف کچھ سیکھ لیں گی بلکہ تجربے کا سرٹیفکیٹ

بھی آپ کے پاس آجائے گا۔"

"ایکس کیوزمی سر......! میں آپ کی بات بالکل نہیں سمجھ رہی۔ بھلا آپ کے گھر آنے جانے میں میں کیا سیکھوں گی......؟" اس نے اُلجھن آمیز لہجے میں کہا تو انہیں قدرے اطمینان ہوا کہ اس نے صاف انکار نہیں کیا۔ گہری سانس کھینچ کر بولے۔

"بی بی......! آفس ٹائم صبح نو سے شام پانچ بجے تک ہے اور یہ سارا وقت آپ کو میرے گھر نہیں رہنا۔ آپ صبح آفس آئیں گی۔ یہاں میں کسی بھی شعبے میں بطور ہیلپر آپ کو لگادوں گا خواہ پبلک ڈیلنگ خواہ کمپیوٹر آپریٹر جو بھی شعبہ آپ کو مناسب لگے۔ آپ بڑے آرام سے سیکھ سکتی ہیں۔ پھر اول تو یہیں آپ کی جاب پکی ہو جائے گی کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں یا پھر آپ کی مرضی...... بہر حال اس تمام وقت میں سے آپ کو ایک ڈیڑھ گھنٹہ کے لئے گھر جانا ہوگا۔"

اب وہ ان کی پوری بات سمجھ گئی اور پُرسوچ انداز میں ذرا سا سر ہلایا لیکن ہامی نہیں بھری بلکہ خود اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کیا کرے......؟ اور اسے شش و پنج میں دیکھ کر وہ کہنے لگے۔

"میں آپ کو مجبور نہیں کر رہا۔ آپ اچھی طرح سوچ لیں۔ اگر دل مانے تو کل آجائیے گا میں آپ کو باقی تفصیل سمجھا دوں گا۔"

"جی......!" اس نے اچانک خود کو آزاد محسوس کیا اور فوراً جانے کی اجازت چاہی۔ پھر باہر آکر اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا بلکہ یوں تیز تیز قدم اُٹھانے لگی جیسے جلد سے جلد یہاں سے دُور چلی جانا چاہتی ہو۔ عجیب سی وحشت سوار ہوگئی تھی اس پر اور خوف الگ کہ کہیں وہ اس کے تعاقب میں تو نہیں آرہے۔

○○○

گھر میں داخل ہوئی تو پھر جان میں جان آئی اور فوراً سوچ لیا کہ دوبارہ وہاں نہیں جائے گی۔

"کیا ہوا......؟" اماں نے اسے دیکھتے ہی پوچھا تو وہ کندھے سے بیگ اُتار کر ایک طرف اُچھالتے ہوئے بولی۔

"سانس تو لینے دیں۔" پھر گرنے کے انداز میں پلنگ پر تقریباً آدھی لیٹ گئی اور لمبے لمبے سانس لیتے ہوئے بولی۔

"نوکری اتنی آسانی سے نہیں ملتی۔ پتا نہیں قسمت میں کتنی خواری لکھی ہے۔"

"لو......ابھی تو آج پہلی بار گئی ہو اور ابھی سے قسمت کو کوس رہی ہو۔" اماں نے ناگواری سے ٹوکا پھر کہنے لگیں۔

"مجھے پتا ہے نوکری آسانی سے نہیں ملتی لیکن انسان کوشش تو کرتا ہے۔ گھر بیٹھے تو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔"

"لو پانی پیئو......!" نبیلہ اس کی آواز سن چکی تھی، پانی لئے چلی آئی تو اماں بگڑ گئیں۔

"تم اور سر چڑھاؤ اسے......کوئی ایسا تیر مار کر نہیں آرہی۔"

"آپ تو خواہ مخواہ میرے پیچھے پڑ جاتی ہیں۔ اب اگر نوکری نہیں ملی تو اس میں میرا کیا قصور......؟ ہاں نہیں تو......" وہ نبیلہ کے ہاتھ سے گلاس لیتے ہوئے وہاں سے اُٹھ کر دوسرے کمرے میں آگئی اور اسی طرح

بڑبڑاتی رہی۔ کچھ دیر بعد نبیلہ اس کے پاس آکر چپ چاپ بیٹھ گئی۔ جب اس کا بڑبڑانا ختم ہوا تب کہنے لگی۔

"تمہیں اماں کی باتوں کا بُرا نہیں ماننا چاہئے۔ ایک تو عبید کی فکر......دوسرے گھر کی پریشانی......"

"ہاں......! ایک وہی تو جیسے پریشان ہیں ہمیں تو کوئی فکر نہیں......؟" وہ خفگی سے بولی تو نبیلہ اسے سمجھاتے ہوئے کہنے لگی۔

"پریشانی تو بے شک ہم سب کی ہے پھر بھی ہمیں انہیں حوصلہ دینا چاہئے۔ انہیں غصہ اس بات پر نہیں آیا کہ تمہیں نوکری نہیں ملی بلکہ تمہارے مایوس ہونے پر وہ خفا ہوئی ہیں اور میں بھی یہی کہوں گی کہ اتنی جلدی مایوس نہیں ہونا چاہئے۔" قدرے توقف کے بعد کہنے لگی۔

"ایک تو مجھ سے اب زیادہ دیر بیٹھا نہیں جاتا۔ خیر ڈلیوری کے بعد میں کچھ کروں گی۔"

"آپ کیا کریں گی......؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"سلائی ہی کرلوں گی۔ اگر قسمت میں اسی طرح لکھا ہے تو یونہی سہی، عبید تو پتا نہیں......" نبیلہ کی آنکھیں اچانک آنسوؤں سے بھر گئیں۔ آواز ساتھ چھوڑ گئی تو وہ جلدی سے اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔

"رونا نہیں بھابی......! بھیا اگر بدل گئے ہیں تو غم نہیں کریں۔ دیکھئے گا ایک دن کتنا پچھتائیں گے۔"

اور اس ایک لمحے میں وہ فیصلہ کرکے بولی۔

"اور آپ کو کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے جاب مل گئی ہے۔"

"کیا......؟" نبیلہ نے بے یقینی سے دیکھا تو وہ مسکرا کر بولی۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔ اماں کو تو میں یونہی تنگ کر رہی تھی۔ مجھے کل ہی سے جانا ہے۔"

"تو جاؤ......! پہلے اماں کو بتاؤ۔"

"آپ بتا دیں مجھے تو وہ ڈانٹیں گی۔" وہ نبیلہ کو بھیج کر خود لیٹ گئی اور نئے سرے سے ساری باتیں سوچنے لگی تو اب اس کے ذہن میں کتنے سوال اُٹھنے لگے تھے۔

○○○

وہ ایک بار پھر ان کے سامنے بیٹھی تھی اور انہیں جیسے اس کے آنے کا یقین تھا جب ہی نہ چونکے نہ حیرت کا اظہار کیا۔ اس کے برعکس بڑے آرام سے پوچھنے لگے۔

"ہاں تو مس ربیعہ......! آپ نے اپنے لئے کسی شعبے کا انتخاب کیا......؟"

اور وہ کل سے سارا وقت جاب کے بارے میں سوچتی رہی تھی لیکن اس طرف دھیان ہی نہیں گیا تھا۔ جب ہی بے وقوفوں کی طرح دیکھنے لگی۔ تب وہ خود ہی کہنے لگے۔

"میرا خیال ہے آپ کے لئے کمپیوٹر ٹھیک رہے گا۔ جلدی سیکھ جائیں گی۔ میرے پاس مس یاسمین کام کر رہی ہیں۔ آپ ان کے پاس بیٹھ جائیں۔ پھر تین ساڑھے تین بجے میرے گھر چلی جایئے گا۔"

"یس سر......! لیکن......" اب جب یہ طے ہوگیا تھا کہ وہ ان کی ملازم ہے تو کچھ پوچھتے ہوئے جھجک سی گئی۔

"ہاں ہاں کہئے......!" انہوں نے حوصلہ دیا تو کہنے لگی۔

"دوسر......! آپ کے گھر میں میرا تعارف کیا ہوگا......؟"

"آپ سنی کی ٹیوٹر بن کر جائیں گی۔ میں اپنی مسز کو فون کر دوں گا کہ میں سنی کے لئے ٹیوٹر بھیج رہا ہوں......اور کوئی بات......؟"

"نو سر......!" وہ کہتے ہوئے اُٹھنے لگی کہ انہوں نے روکا۔

"ایک منٹ......!" پھر دراز میں سے ایک لفافہ نکال کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولے۔

"اس میں میرے بیٹے کی حالیہ تصویر ہے، اچھی طرح دیکھ لیں۔ میں نہیں چاہتا کہ اسے اچانک سامنے دیکھ کر دوسرے لوگوں کی طرح آپ بھی بلاارادہ ہی سہی منہ موڑ لیں۔"

"جی......؟" پتا نہیں کیوں اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اور ان کے سامنے تصویر دیکھنے کی ہمت نہیں ہوئی کہ کہیں اس کی کوئی غیر اختیاری حرکت ان کے لئے دُکھ کا باعث بنے یا انہیں ناگوار گزرے۔ اسی خیال کے تحت اس نے لفافہ اُٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا۔ پھر پوچھنے لگی۔

"مس یاسمین کہاں بیٹھی ہیں......؟"

"میں انہیں بلاتا ہوں۔" انہوں نے انٹرکام پر مس یاسمین کو بلایا اور اس کے آنے پر اس کے تعارف کے ساتھ بتایا کہ وہ اس کے پاس بیٹھے گی۔ پھر وہ یاسمین کے ساتھ ہی ان کے کمرے سے نکل آئی۔

پہلا دن تھا۔ وہ بس یاسمین کو کمپیوٹر کے ساتھ کھیلتے ہوئے دیکھتی رہی۔ اسے وہ کھیلتی ہوئی لگ رہی تھی اور دلچسپ کھیل تھا کہ بٹن دبانے سے کبھی کوئی فیگر سامنے آتا کبھی کوئی چارٹ اور کبھی جیسے سارا کچھ گڈمڈ ہو جاتا۔ ایک دوبارہ اس کا دل چاہا وہ آنکھیں بند کر کے کی بورڈ پر انگلیاں چلانا شروع کر دے۔ اس کے بعد دیکھے کیا ہوتا ہے......؟

"تم نے ابھی گریجویشن کیا ہے......؟" یاسمین نے پوچھا تو وہ اپنی سوچوں سے نکل کر بولی۔

"نہیں......! گزشتہ سال۔"

"ایک سال کیا کرتی رہیں......؟"

"کچھ نہیں......اطمینان سے گھر بیٹھی رہی۔"

"گھر میں بھی کہیں اطمینان ہوتا ہے......؟" اسکرین پر نظریں جمائے یاسمین نے کہا تو وہ حیران ہو کر بولی۔

"کیا مطلب......؟ اور کہاں ہوتا ہے اطمینان......؟"

"گھر میں بہر حال نہیں ہوتا۔ سو بکھیڑے......خواہ مخواہ کی ٹینشن......بچوں کا شور......بھاوجوں کی چخ چخ......اماں کا ٹوکنا......ابا کا چلانا......شام میں بھائی آئیں تو ان کی بک بک......خدا کی پناہ......! ایک لمحہ اطمینان کا نہیں ہوتا۔" اس نے ایک منٹ میں اپنے گھر کا نقشہ کھینچ دیا اور وہ کیا کہتی ہنس بھی نہیں سکی۔ تب یاسمین اسے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"تمہارے گھر میں یہ سب نہیں ہوتا کیا......؟"

"نہیں......! میرے گھر میں اتنے افراد نہیں ہیں۔"

"خوش قسمت ہو۔" کتنے آرام سے اس نے خوش قسمت قرار دے دیا اور اس بار وہ ذرا افسردہ ہو گئی۔

پھر جب تین بجے وہ آفس سے نکلی تو ڈرائیور گاڑی لیے موجود تھا۔ اسے دیکھتے ہی دروازہ کھول دیا۔ وہ بیٹھ گئی اور جیسے ہی گاڑی چلی اس نے بیگ میں سے تصویر والا لفافہ نکال لیا۔ صبح سے اس کا دھیان اس طرف تھا لیکن آفس میں دیکھنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی کیونکہ خود اسے غیر اختیاری حرکت سرزد ہونے کا خدشہ تھا اور ابھی بھی کتنی دیر تک وہ بس لفافے کو ہی گھورتی رہی۔

پھر جب یہ خیال آیا کہ کہیں اسی میں راستہ تمام نہ ہو جائے، اس نے دھیرے دھیرے تصویر نکال لی اور کیونکہ اسی پر نظریں جمائے بیٹھی تھی تو سچ اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور ایک لمحے کے بعد ہی اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ سینے کے اندر دُور دُور تک کوئی آواز نہیں تھی گویا دل جیسے بند ہو گیا تھا اور اپنے زندہ ہونے کا یقین کرنے کے لئے ہی اس نے آنکھیں کھولی تو پھر وہی چہرہ سامنے تھا جو کہیں سے بھی انسان کا چہرہ نہیں لگ رہا تھا اور یہ تصویر تھی ابھی اُسے حقیقت میں اس کا سامنا کرنا تھا جو واقعی اسے بہت مشکل لگ رہا تھا۔ دل چاہا گاڑی رُکوا کر یہیں اُتر جائے اور اس جاب کا خیال دل سے نکال کر سیدھی گھر کی راہ لے۔ یوں بھی وہ خاصی بزدل واقع ہوئی تھی اور اس تمام عرصے میں پہلی بار اسے یہ خیال آیا کہ آخر اسی کا انتخاب کیوں کیا گیا......؟ اور بھی تو لڑکیاں تھیں اس کے مقابلے میں بہت ایکٹو۔

اس نے شیشے سے باہر نظر دوڑائی۔ پتا نہیں کون سا علاقہ تھا اور وہ یہیں سے واپسی کا سوچنے لگی تھی کہ عالمگیر صاحب کی بات یاد آئی۔ میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ آپ کو جاب نہیں ملے گی لیکن بہت مشکل سے ملے گی کیونکہ ایک تو آپ سمپل گریجویٹ ہیں دوسرے، وغیرہ وغیرہ۔ یعنی واقعی خواری اور وہ نئے سرے سے تگ و دو کر سکتی تھی لیکن حالات اس کی اجازت نہیں دے رہے تھے ابھی جو جاب مل گئی تھی، وہی غنیمت تھی۔ گہری سانس کھینچتے ہوئے اس نے دوبارہ تصویر پر نظریں جما دیں۔ تبھی گاڑی ایک موڑ مڑ کر رُک گئی اور ڈرائیور نے اُتر کر اس کی طرف کا دروازہ کھول دیا۔ اس نے جلدی سے تصویر کو لفافے میں ڈال کر لفافہ بیگ میں رکھ لیا اور نیچے اُتر کر اس عالی شان بنگلے کو دیکھنے لگی۔

"چوکیدار......! مس صاحب کو بیگم صاحب کے پاس لے جاؤ۔" ڈرائیور نے چوکیدار کو پکار کر کہا تو وہ جیسے زبردستی خود کو گھسیٹتی ہوئی چوکیدار کے پیچھے چل کر اندر آئی۔ وہ قصداً اِدھر اُدھر دیکھنے سے گریز کر رہی تھی اور سر بھی جھکا ہوا تھا جب ہی اسے اندازہ نہیں ہوا کہ وہ کن مرحلوں سے گزر کر بیگم صاحبہ کے کمرے تک پہنچی ہے۔

"تم ربیعہ ہو......؟" اس آواز پر ہی اس نے سر اُٹھایا تو سامنے خاصی گریس فل خاتون موجود تھیں، قدرے شپٹا کر ان کی بات کا جواب دینے کے بجائے اس نے سلام کر دیا۔

"جیتی رہو......! آؤ بیٹھو۔" انہوں نے کہا تو وہ ان کے بیڈ کے کنارے خاصے تکلف سے بیٹھ گئی۔

"تم سنی کو پڑھاؤ گی۔" بغور اس کا جائزہ لیتے ہوئے ان کا انداز سوالیہ نہیں تھا۔ اس نے ذرا سا اثبات میں سر ہلا دیا۔ یوں بھی وہ کچھ مرعوب سی ہو رہی تھی۔ انہوں نے ملازمہ کو بلا کر اسے سٹنگ روم میں لے جانے کو کہا پھر اس سے کہنے لگیں۔

"تم چلو......! میں سنی کو بھیجتی ہوں۔"

وہ چپ چاپ اُٹھ کر ملازمہ کے پیچھے چل پڑی۔ پھر سٹنگ روم میں بیٹھتے ہی اس نے کافی محتاط نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ کمرہ بہت سادہ تھا یعنی نہ فرنیچر کی بہتات نہ کوئی ڈیکوریشن پیس۔ البتہ گلاس وال سے پرے کا منظر انتہائی دلکش تھا جہاں سے غالباً ابھی کچھ دیر پہلے وہ گزر کر آئی تھی لیکن اس وقت دھیان نہیں دیا تھا۔ برآمدے اور چار اسٹیپ پر وائٹ ماربل کا فرش تھا۔ اس سے آگے سرخ اینٹوں کی روش پھر بہت خوبصورت لان...... وہ اس دلکشی کو دل ہی دل میں سراہ رہی تھی کہ سنی اس کے سامنے آ کر بولا۔

"ہیلو ٹیچر......!" وہ خوبصورت سے بچے کو دیکھ کر بے ساختہ مسکرائی۔ پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر پاس بٹھاتے ہوئے بولی۔

"مجھے تمہارا ہیلو کہنا بھی اچھا لگا ہے لیکن آئندہ ہم ایک دوسرے کو سلام کیا کریں گے...... ٹھیک......؟"

"آپ روزانہ آئیں گی۔" بچے نے معصومیت سے پوچھا۔

"ہاں......! کیوں......؟ کیا تمہیں پڑھنا اچھا نہیں لگتا......؟"

"اچھا لگتا ہے۔"

"بس تو میں روزانہ تمہیں پڑھانے آؤں گی۔ اب جلدی سے بتاؤ کون سی کلاس میں پڑھتے ہو۔"

"ون میں۔"

"ویری گڈ......!" اس نے سنی کا گال تھپک کر شاباش دی پھر اس کا بیگ کھولنے لگی تھی کہ عقب سے آواز آئی۔

"سنی......! یہ کون ہیں......؟" اسے پہلا خیال اس کا آیا اور بیگ پر آپ ہی آپ اس کے ہاتھ کی گرفت مضبوط ہوگئی۔ جبکہ اندر کی وہی کیفیت تھی کہ دل اگر بند ہوا نہیں تھا تو ہونے والا تھا۔

"ماما......! یہ میری ٹیچر ہیں۔" سنی نے شوق سے بتایا۔

"اچھا......!" پتا نہیں اس کی ذرا سی ہنسی کس کے لئے تھی۔ پھر غالباً وہ وہیں سے پلٹنے لگا کہ سنی پکار کر بولا۔

"ماما......! آپ ٹیچر سے نہیں ملیں گے......؟"

"نہیں......!" اس کے لہجے کی سختی اس نے صاف محسوس کی۔ دل ہی دل میں شکر کرنے لگی تھی کہ سنی مچل کر بولا۔

"کیوں ماما......؟ اتنی اچھی ٹیچر ہیں۔ آپ آ کر انہیں ہیلو کہیں۔" پھر غالباً اس کی بات یاد آنے پر کہنے لگا۔

"ہیلو نہیں سلام کریں۔"

"چلئے...... آپ میرا سلام کہہ دیں۔" اس نے شاید بچے کا دل رکھا اور بچے کی سمجھ میں نہیں آیا اس کا سلام کیسے کہے۔ تب اس کی کلائی پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"ٹیچر......! سلام کریں ناں......!" اور ظاہر ہے بچے کا تو بہانہ تھا۔ اصل میں تو شاید وہ اسی کی ٹیچر تھی۔ اس کے لئے بھیجی گئی تھی پھر کب تک نظریں چراتی۔ اس خیال کے تحت اچانک ہی جانے کیسے ہمت کر کے وہ اپنی

جگہ سے کھڑی ہوگئی اور پوری اس کی طرف گھوم کر بولی۔

"السلام علیکم......!" وہ ایک لمحہ کو اپنی جگہ حیران ہوا۔ پھر غالباً اس سے اپنا آپ چھپانے کی خاطر فوراً اس کی طرف سے پیٹھ موڑ گیا اور جس لمحے سے وہ خوفزدہ تھی وہ گزر چکا تھا۔ یوں کہ پتا بھی نہیں چلا۔ تب وہ سہولت سے بولی۔

"سلام کا جواب تو دیتے جائیے......!"

"ہاں......! وعلیکم السلام......!" اس نے چونک کر کہا اور تیز قدموں سے کمرے سے نکل گیا۔ تب گہری سانس کے ساتھ وہ دوبارہ بیٹھتے ہوئے سنی کو دیکھ کر قصداً مسکرائی جبکہ دھیان اس کی طرف تھا۔ سنی نے خود ہی اپنا بیگ کھول کر ڈائری نکالی اور اس کی طرف بڑھا کر بولا۔

"ٹیچر......! میری ڈائری دیکھیں۔"

اس نے چونک کر اس کے ہاتھ سے ڈائری لے لی۔ پھر اسی کے مطابق اسے ہوم ورک کروانے لگی۔ اس کام میں اس کا بالکل دل نہیں لگا۔ اگر اسے ایسا کوئی شوق ہوتا تو وہ بڑے آرام سے گھر بیٹھ کر بچوں کو ٹیوشن پڑھا سکتی تھی۔ البتہ کمپیوٹر کا کھیل اسے اچھا لگا تھا۔ اس نے سوچا وہ جتنی جلدی ہو سکا کمپیوٹر سیکھ کر کہیں اور جاب تلاش کرلے گی۔ بہرحال بڑی بے دلی سے اس نے آدھے گھنٹے میں ہی بچے کو فارغ کر دیا۔ اس کے بعد بیگم صاحبہ سے اجازت لینے کی غرض سے ان کے کمرے کی طرف آئی تو اندر سے اس کی آواز آ رہی تھی۔

"سنی کو میں خود پڑھا دوں گا۔ آپ اس لڑکی سے کہیں آئندہ یہاں نہیں آئے۔"

"بیٹا......! سنی تمہارے ساتھ صرف شرارت کرتا ہے پڑھ نہیں سکتا۔ کیا پہلے تم کوشش نہیں کر چکے......؟"

"وہ تو میرا اپنا موڈ نہیں تھا۔ اب سنجیدگی سے پڑھاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے......! تم بھی پڑھا لینا اور گھنٹہ بھر ربیعہ بھی۔"

"نہیں مما......! اور کوئی نہیں بس آپ اسے منع کر دیں۔" وہ بچوں جیسے ضدی لہجے میں بولا اور ان کی مزید کوئی بات سنے بغیر کمرے سے نکلا تو اسے دیکھ کر ٹھٹک گیا اور وہ بالکل غیر ارادی طور پر سر جھکا گئی۔ یوں بھی زیادہ دیر تک اس پر نظریں جمانا ممکن نہیں تھا۔ جب وہ قریب سے نکل کر چلا گیا تب وہ کمرے میں داخل ہو کر بولی۔

"میرے لئے کیا حکم ہے بیگم صاحبہ......؟"

"تم اس کی باتیں سن چکی ہو اب میں کیا کہوں......؟" انہوں نے کچھ بھی کہنے سے معذوری ظاہر کی تو اس نے انجان بن کر پوچھا۔

"وہ کیوں منع کر رہے ہیں......؟"

"بس بیٹا......! اصل میں وہ کسی کا گھر میں آنا پسند نہیں کرتا۔ سمجھتا ہے سب اس کا مذاق اُڑائیں گے۔"

انہوں نے تاسف سے بتایا تو وہ کچھ دیر رُک کر بولی۔

"اگر آپ اجازت دیں تو میں خود ان سے بات کرلوں۔"

"تم......؟" انہوں نے حیران ہو کر اسے دیکھا پھر دُکھ سے بولیں۔

CamScanner

"وہ تم سے ٹھیک سے بات نہیں کرے گا۔ میرا مطلب ہے ہو سکتا ہے تم پر چیخنے چلانے بھی لگے اور تم سے فوراً نکل جانے کو بھی کہہ سکتا ہے۔"

"پھر بھی میں ایک کوشش کر لیتی ہوں۔" وہ ان کی باتوں پر اندر ہی اندر جز بز ہو کر بولی اور یہ اس کی مجبوری تھی ورنہ اس کا اپنا دل چاہ رہا تھا کہ فوراً یہاں سے چلی جائے اور دوبارہ کبھی پلٹ کر نہ آئے۔

"تمہاری مرضی......!"

ان کی اجازت ملتے ہی وہ ان کے کمرے سے نکل آئی۔ لاؤنج میں کھڑے سنی سے اس نے اس کے ماما کا پوچھا اور اس کے کمرے کی طرف آ گئی۔ کمرے کا دروازہ لاک نہیں تھا پھر بھی اس نے ہلکے سے ناک کیا اور کم آن کی آواز پر دل مضبوط کر کے اندر داخل ہوئی۔ غالباً اس کا اسٹڈی روم تھا۔ دیوار گیر الماریوں میں ترتیب سے کتابیں سجی تھیں۔ کمرے کے درمیان میں بڑی سی ٹیبل جس کے اطراف چھ کرسیاں رکھی تھیں وہیں وہ بیٹھا تھا۔ دروازے کی طرف اس کی پشت تھی۔ کچھ دیر پہلے وہ اسی طرح بیٹھی تھی اور وہ عقب سے آیا تھا۔ اب وہ عقب میں کھڑی تھی۔ بڑی دقتوں سے خود کو بولنے پر آمادہ کیا تو اس قدر کہہ سکی۔

"سنیں......!" اس کا چونکنا وہ دیکھ رہی تھی۔ پھر ہاتھوں کی مٹھیاں زور سے بھینچ کر اس نے ٹیبل پر رکھیں جیسے خود پر ضبط کر رہا ہو اور اپنی کوشش میں کسی حد تک کامیاب ہو کر بولا۔

"فرمایئے......!"

"کیا آپ کو میرا آنا اچھا نہیں لگا......؟" وہ جلدی میں یہی کہہ سکی۔

"مجھے کسی کا بھی آنا اچھا نہیں لگتا۔"

"میں صرف اپنی بات کر رہی ہوں۔" اس نے کوئی ایسی بات تو نہیں کی تھی پھر بھی پتا نہیں کیوں وہ ایک دم کھڑا ہو کر اسے دیکھنے لگا اور وہ مسلسل اس کوشش میں مصروف تھی کہ نظریں اس کے چہرے پر جمائے رکھے لیکن بار بار زاویہ بدلنا پڑتا۔ تب وہ قدم بڑھا کر اس کے مقابل آ کر بولا۔

"کہاں تک خود پر جبر کریں گی آپ......؟ مجھے بتائیں کیا مجبوری ہے آپ کے ساتھ......؟ کیا ضرورت ہے......؟ میں یونہی پوری کر دوں گا۔"

وہ اچانک کم مائیگی کے احساس میں گھر کر تاسف سے بولی۔

"میں جانتی ہوں آپ بڑے آدمی ہیں۔ ہزاروں کی ضرورتیں پوری کرتے ہوں گے لیکن معاف کیجئے گا آغا جہانگیر......! میں بھیک لینے سے پہلے مر جانا پسند کروں گی۔"

"میں بھیک نہیں دے رہا۔"

"بنا محنت کے لیا ہوا ایک پیسہ میرے لئے بھیک ہوگا۔" وہ اپنی بات کہہ کر جانے لگی کہ اس نے پکار لیا۔

"سنیں مس......!" وہ رک گئی لیکن اس کی طرف پلٹی نہیں۔ اچانک آنکھوں میں جو نمی اتر آئی تھی اسے صاف کرنے لگی اور کچھ دیر انتظار کے بعد وہ کہنے لگا۔

"آپ کی مرضی......شوق سے سنی کو پڑھائیں لیکن میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ زیادہ دن تک یہ جاب جاری نہیں رکھ سکیں گی۔"

"آپ کس بنا پر اتنے یقین سے کہہ رہے ہیں......؟"

"میری طرف دیکھیں۔" اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ اسی طرح کھڑی رہی۔ تب وہ قدرے تلخی سے بولا۔

"آپ میں تو مجھے دیکھنے کا حوصلہ ہی نہیں ہے مس......! جبکہ میں یہاں ہر قدم پر نظر آؤں گا۔"

(اُف......!)۔ پتا نہیں کس امتحان میں ڈال رہا تھا......؟ حوصلہ تو واقعی اس میں نہیں تھا۔ پھر اس کی طرف پلٹ کر بولی۔

"آپ کو میری آزمائش مطلوب ہے۔ کہئے کہاں تک دیکھوں......؟" نظریں اس کے چہرے پر تو جما دیں لیکن اندر دل کا عالم یہ تھا کہ ابھی اُچھل کر حلق سے باہر جا گرے گا اور اس نے سوچ لیا آر یا پار...... کتنی دیر گزر گئی پھر وہ خود ہی رُخ موڑ گیا تو اس کے چوڑے شانوں کے پیچھے اسے اپنا وجود بہت چھوٹا سا لگا۔ اب مزید کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ وہ سست روی سے اس کے کمرے سے نکل آئی اور سنی کو اگلے دن آنے کا کہہ کر باہر آ گئی۔

○○○

گھر میں داخل ہوئی تو غیر معمولی خاموشی کا احساس ہوا۔ گھر میں اگرچہ پہلے بھی شور تو نہیں ہوتا تھا پھر بھی اماں کچھ نہ کچھ کرتی رہتیں اور انہیں اپنے آپ بولنے کی عادت بھی تھی جبکہ اب ایک دم خاموشی تھی۔ اس نے پہلے اماں کے کمرے میں آ کر جھانکا وہ جانماز پر بیٹھی تسبیح پڑھنے میں مصروف تھیں۔ تب وہ اُلٹے پیروں نبیلہ کے پاس آ گئی۔ وہ آنکھوں پر بازو رکھے پتا نہیں سو رہی تھی یا یونہی لیٹی تھی۔

"بھابی......!" اس نے آہستہ سے پکارا۔ کوئی جواب نہیں آیا لیکن اس نے محسوس کر لیا کہ وہ سو نہیں رہی تب آ کر اس کے قریب بیٹھ گئی۔

"یہ کون سا سونے کا وقت ہے......؟" اس نے کہتے ہوئے نبیلہ کی آنکھوں سے بازو ہٹایا تو وہ ٹھٹک گئی۔ شدت گریہ سے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور پہلے ہی آغا جہانگیر کو دیکھ کر اس کے احساسات عجیب سے ہو رہے تھے۔ مزید دل سہم سا گیا۔ نبیلہ کے بازو پر اس کے ہاتھ کی گرفت آپ ہی آپ مضبوط ہو گئی اور اس سے کچھ پوچھنے سے پہلے وہ خود کو ہر قسم کی صورتِ حال کے لئے تیار کرنے لگی۔ اچانک فضا کتنی بوجھل ہو گئی تھی۔ اس کا ذہن کچھ بھی سوچنے سے قاصر رہا تب نبیلہ کو دیکھ کر پوچھا۔

"کیا ہوا ہے بھابی......؟ اماں نے کچھ کہا ہے......؟"

نفی میں سر ہلاتے ہوئے نبیلہ کی آنکھیں پھر چھلکنے لگیں اور اس نے تکیے کے نیچے سے لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"کس کا خط ہے......؟" اس نے لفافہ لیتے ہوئے یونہی پوچھا پھر خط نکال کر جلدی جلدی پڑھنے لگی۔ بھیا کا خط تھا اور انہوں نے لکھا تھا۔

"پیاری اماں......!

اُمید ہے گھر میں خیریت ہوگی۔

اپنے بارے میں کیا لکھوں اچھے دنوں کی تلاش میں نکلا تھا لیکن جانے خدا کو کیا منظور

CamScanner

ہے۔ سنگاپور تک تو خیریت سے پہنچ گیا تھا۔ میرے ساتھ تین چار لڑکے اور بھی تھے۔ سارا دن ہم نے سنگاپور میں گزارا اور طے یہ ہوا تھا رات میں ایجنٹ ہمیں جنگل کے راستے ملائیشیا لے جائے گا۔ بہر حال وقت مقررہ پر ایجنٹ ہم پانچوں کو لے کر چل پڑا۔ راستے اس کے جانے پہچانے تھے۔ اس لئے بھی ہم مطمئن تھے۔ پھر رات کے کسی پہر ہم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا اور سو گئے۔ بس یہیں سے ہماری بدقسمتی کا آغاز ہوا۔ صبح آنکھ کھلی تو ایجنٹ غائب۔ خود تو بھاگا ہی ساتھ ہمارے پاسپورٹ اور جس کے بیگ میں جتنی رقم تھی، سب لے گیا۔

آپ اندازہ کر سکتی ہیں کہ ہم کس مشکل میں گھر گئے۔ نہ آگے جا سکتے تھے نہ واپسی کا راستہ تھا۔ پھر بھی اللہ کا نام لے کر چل پڑے اور ملائیشیا میں داخل ہوتے ہی غیر قانونی داخلے کے جرم میں گرفتار ہو گئے۔ ایک سال کی سزا سنائی گئی۔ چھ ماہ گزر چکے ہیں اتنا ہی عرصہ باقی ہے۔ میں نے آپ کو خط اس لئے نہیں لکھا کہ آپ لوگ پریشان ہوں گے لیکن آج اچانک خیال آیا کہ یہ پریشانی تو اور زیادہ ہوگی کہ میری کوئی اطلاع نہیں۔ پتا نہیں کیا گناہ ہوا تھا یا شاید آپ کی نافرمانی کرنے کی سزا مل رہی ہے۔ اچھا بھلا گھر بار چھوڑ کر نکل آیا۔ میرے ساتھ بلکہ مجھ جیسے سب لوگوں کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہئے۔ اپنی مٹی کا کھا کر جوان ہوتے ہیں اور جب اسے کچھ دینے کا وقت آتا ہے تو منہ موڑ کر چل دیتے ہیں۔

ہو سکے تو آپ مجھے معاف کر دیں اور میرے لئے دُعا کریں۔ نبیلہ اور ربیعہ کیسی ہیں میں ان دونوں سے بھی شرمندہ ہوں۔

آپ کی دُعاؤں کا محتاج ..... عبید۔"

اس کی آنکھیں دُھندلا گئی تھیں۔ بڑی مشکل سے اس نے خط تمام کیا اس کے بعد وہ کتنی دیر تک اسی طرح گم صم بیٹھی رہی۔ بھیا کے بارے میں تشویش تو تھی لیکن اس قسم کی کوئی بات تو بھولے سے بھی نہیں سوچی تھی۔ کتنی مشکل میں تھے وہ اور ستم یہ کہ یہاں سے کوئی کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ زندگی میں بعض مقام ایسے بھی آتے ہیں جب انسان بالکل بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ نبیلہ کو دو حرف تسلی کے کیسے کہے۔ بہت کوشش کرنے کے بعد بھی وہ ایک لفظ نہیں کہہ سکی تو اُٹھ کر کچن میں آ گئی۔ چولہے پر چائے کا پانی رکھا اور سیڑھی پر بیٹھ کر پیشانی گھٹنوں پر ٹکالی۔ آنسو جیسے چھلکنے کو بے تاب تھے اور اب اس نے روکنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ کتنی دیر بعد اماں نے آ کر جھانکا۔ چولہے پر چائے کا پانی سوکھ چکا تھا اور اسے اپنا ہوش نہیں تھا۔

"ربیعہ.....!" اماں نے اس کے کندھوں سے تھام کر ہلایا تو وہ ان کے سینے میں منہ چھپا کر سسکنے لگی۔ آواز سن کر نبیلہ بھی وہیں آ گئی اور اب اماں ہی کو انہیں سنبھالنا تھا۔ کمال ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے دونوں کو چپ کرایا پھر ڈانٹنے لگیں۔

"شکر کرو.....! اللہ نے کسی بڑے امتحان میں نہیں ڈالا۔ کچھ وقت گزر گیا ہے کچھ گزر جائے گا۔ دُعا کرو اللہ ساتھ خیریت کے اسے واپس لائے.....اور دیکھو.....! خبردار کسی کو بتانا مت۔ لوگوں کو تو یوں بھی کوئی موقع چاہئے ہوتا ہے۔ جاؤ جا کر منہ ہاتھ دھو لو میں کھانا گرم کر کے لاتی ہوں۔"

وہ دونوں ایک دوسرے سے نظریں چراتی ہوئی کچن سے نکل آئیں۔

○○○

اس کی نظریں کی بورڈ پر حرکت کرتی یاسمین کی اُنگلیوں پر جمی تھیں لیکن ذہن اپنی ہی پریشانیوں میں اُلجھا تھا۔ کتنی سوچیں تھیں اور ہر سوچ کے اختتام پر سوالیہ نشان۔

"تمہیں کیا پریشانی ہے.....؟" یاسمین نے اس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا تو وہ چونک کر دیکھنے لگی۔ حیران بھی ہوئی کہ اسے کیسے پتا چلا کہ وہ پریشان ہے۔

"نہیں بتانا چاہتیں تو مت بتاؤ۔" اس کے خاموش رہنے پر یاسمین نے اس انداز سے کہا جیسے اسے کوئی پرواہ نہیں۔ تب وہ ذرا سا ہنس کر بولی۔

"مجھے کیا پریشانی ہو سکتی ہے بھلا.....؟"

"خیر.....! یہ تو نہ کہو..... یہاں ہر شخص پیدائش کے وقت سے ہی اپنے ساتھ ایک عدد پریشانی لے کر پیدا ہوتا ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ اس ایک پریشانی سے نجات کی کوشش میں وہ مزید پریشانیاں اپنے سر لاد لیتا ہے۔" یاسمین بڑے ہلکے پھلکے انداز میں کہہ کر خود ہی ہنسی پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"کیا میں غلط کہہ رہی ہوں.....؟"

"نہیں.....! لیکن تم نے ہر شخص غلط کہا ہے۔ یہ سوغاتیں تو ہم مڈل کلاس والوں کے حصے میں آتی ہیں جبکہ بڑے لوگ....."

"آں ہاں.....!" یاسمین فوراً ٹوکتے ہوئے بولی۔

"بے وقوف ہو تم.....! بڑے لوگوں کے دُکھ بھی بڑے ہوتے ہیں اور ان کی ایک پریشانی ہماری سو پریشانیوں پر بھاری ہوتی ہے۔ اس حساب سے تو سمجھو ہم خوش نصیب ٹھہرے۔"

"واقعی.....!" وہ قائل ہو کر بولی۔ تبھی انٹرکام پر باس کی طرف سے اس کا بلاوا آ گیا تو ذہن کو پوری طرح حاضر کرتے ہوئے ان کے کمرے میں آ گئی۔ وہ فون پر بات کر رہے تھے۔ اچٹتی نظر اس پر ڈالی ضرور لیکن بیٹھنے کے لئے نہیں کہا۔ جب فارغ ہو گئے تب اسے دیکھ کر پوچھنے لگے۔

"ہاں بی بی.....! کل آپ کو کوئی پرابلم تو نہیں ہوئی.....؟"

"نو سر.....!" وہ یہی کہہ سکتی تھی۔

"گڈ.....!" انہوں نے پُر سوچ انداز میں سر ہلایا پھر کہنے لگے۔

"ایک بات یاد رکھئے گا..... سب کچھ ایک دم نہیں ہو جاتا۔ دھیرے دھیرے اور جب موقع دیکھیں اس سے بات کریں اور جب وہ آپ کو اپنا دوست سمجھنے لگے تب آپ اسے چہرے کی سرجری پر آمادہ کر سکتی ہیں۔ اس سے پہلے اگر کوئی بات کریں گی تو وہ مجھ سے اُکھڑ جائے گا۔ لہٰذا بہت محتاط رہئے گا۔"

"جی.....!"

"اور ہاں.....! گھر آپ نے دیکھ لیا ہے۔ اب آپ خود سے چلی جایئے گا۔" وہ کچھ نہیں بولی تب انہوں نے جانے کے لئے کہا تو وہ دوبارہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ انتہائی بے دلی سے بیگ اُٹھایا اور بڑے سے

دوپٹے کو پھیلا کر اوڑھ رہی تھی کہ یاسمین پوچھنے لگی۔

"جارہی ہو......؟"

"ہاں......! یہاں کی ڈیوٹی ختم۔" وہ بے دھیانی میں کہہ گئی۔

"کیا مطلب......؟ پارٹ ٹائم بھی کہیں جاب کر رہی ہو۔"

"ارے نہیں......!" وہ ہنسی اور وضاحت کیے بنا باہر آ گئی۔

پھر سنی کو کوئی گھنٹہ بھر اس نے پڑھایا۔ کچھ دیر بیگم صاحبہ کے پاس بھی بیٹھی لیکن اس تمام وقت میں وہ نظر نہیں آیا اور نہ صرف اس دن بلکہ اگلا پورا ہفتہ اس پر نظر نہیں پڑی۔ غالباً وہ جان بوجھ کر اس کی آمد پر خود کو اپنے کمرے میں بند کر لیتا تھا اور اس طرح تو وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اگر اس کا کام صرف سنی کو پڑھانا ہوتا تو حقیقتاً وہ اس کا سامنا نہ ہونے پر شکر کرتی لیکن وہ تو بھیجی ہی اس کے لئے گئی تھی اور وہی غائب۔ اس روز سنی کو ہوم ورک کرواتے ہوئے اس نے پوچھ لیا۔

"سنو......! تمہارے ماما کہاں ہیں......؟"

"ماما اپنے اسٹڈی روم میں ہیں۔" سنی نے لکھنے میں مصروف رہ کر جواب دیا تو وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولی۔

"تم ہوم ورک کرو میں ابھی آتی ہوں۔"

"آپ ماما کے پاس جارہی ہیں......؟" سنی کے پوچھنے پر وہ ذرا مسکرائی۔

"ہاں......! مجھے ان سے ایک کتاب لینی ہے۔ بس ابھی آتی ہوں۔"

وہ اس کا گال تھپک کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر اس کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے وہ خاصی پزل سی ہو رہی تھی اور کچھ عجیب سا بھی لگ رہا تھا لیکن جائے بنا چارہ بھی نہیں تھا۔ بہت ہلکے سے دروازے پر دستک دی اور کم ان کی آواز پر اندر داخل ہوئی تو وہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ غالباً اس کی آمد غیر متوقع تھی جب ہی پہلے حیران ہوا پھر ناگواری سے چہرہ دوسری طرف موڑ لیا تو وہ بہت سنبھل کر بولی۔

"شاید آپ کو میرا آنا ناگوار گزرا ہے......؟"

"فرمائیے......! کیا کام ہے......؟" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولا۔

"کام تو کوئی نہیں البتہ ایک بات پوچھنی تھی۔" اس نے بے اختیار اس کی طرف چہرہ موڑ کر سوالیہ نظروں سے دیکھا تو صرف اس پر سے نظریں ہٹانے کی خاطر وہ ناخنوں سے کھیلتے ہوئے بولی۔

"اوّل روز آپ نے کہا تھا کہ آپ ہر جگہ نظر آئیں گے لیکن اس کے بعد سے نظر ہی نہیں آئے۔ میرا مطلب ہے اگر آپ نے میری وجہ سے خود کو پابند کر لیا ہے تو......" وہ قصداً خاموش ہو گئی اور ذرا سی پلکیں اُٹھا کر دیکھا تو وہ صاف گوئی سے بولا۔

"آپ ٹھیک سمجھی ہیں۔ آپ ہی کی وجہ سے میں خود کو مقید کر لیتا ہوں۔"

"تو اس کا مطلب ہے میں یہاں نہ آیا کروں......؟"

"میں آپ کو منع نہیں کر رہا۔"

"تو اور کیسے منع کیا جاتا ہے......؟ آپ زبان سے نہ کہیں لیکن آپ کا رویّہ تو یہی ظاہر کر رہا ہے۔" خلاف مزاج وہ بڑی جرأت کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

"آپ سنی کی ٹیچر ہیں صرف اسی سے مطلب رکھیں۔ دوسروں کے روّیے سے آپ کو کیا غرض......؟" وہ قدرے اُکھڑے لہجے میں بولا تو کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ کہنے لگی۔

"ٹھیک ہے......! مجھے صرف سنی سے مطلب رکھنا چاہئے لیکن کیا آپ کو سنی سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"کیوں نہیں......؟"

"پھر تو آپ کو آکر دیکھنا چاہئے کہ میں اسے کیا پڑھا رہی ہوں......؟ بیگم صاحبہ تو غالباً اس وقت سو رہی ہوتی ہیں اور آپ کو بھی کوئی پرواہ نہیں۔ اس طرح تو شاید میں خود اپنے کام سے انصاف نہیں کر سکوں گی۔ ظاہر ہے جب کوئی پوچھنے والا ہی نہیں ہوگا......"

"لیکن میں......" وہ اس کی بات پر اُلجھ گیا۔ انداز ایسا تھا جیسے سمجھ میں نہ آرہا ہو کہ کیا کہے۔ تب وہ ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے......! آپ اس کمرے سے نکلنا نہیں چاہتے تو کل سے میں سنی کو یہیں بیٹھ کر پڑھا دیا کروں گی۔" وہ اپنی بات ختم کرتے ہی کمرے سے نکل آئی۔

(اب کل جو ہوگا دیکھا جائے گا)۔ سنی کے پاس بیٹھتے ہوئے اس نے سوچا۔ پھر توجہ سے اسے پڑھانے لگی۔ بچہ خاصا ذہین تھا منٹوں میں سبق یاد کر لیتا۔ پھر اس سے سوال کرنے لگتا۔ اس وقت پوچھنے لگا۔

"ٹیچر......! آپ کا گھر کہاں ہے......؟"

"میرا گھر......؟" اور گھر کے ساتھ ہی اسے یاد آیا کہ آج اماں نے جلدی آنے کو کہا تھا کیونکہ صبح ہی نبیلہ کی طبیعت کچھ خراب تھی اور اماں کا خیال تھا اسے ہاسپٹل لے جانا پڑے گا۔ بس وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔ سنی سے ہاتھ ملا کر خدا حافظ کہا اور باہر نکل آئی۔ تمام راستہ اپنی یادداشت کو کوستی رہی کہ دن میں ایک بار بھی اسے خیال نہیں آیا اور اب پتا نہیں اماں اور نبیلہ کہاں ہوں گی۔ پھر گھر کا دروازہ کھلا دیکھ کر اسے قدرے اطمینان ہوا۔ اندر آئی تو اماں کچن سے نکل رہی تھیں اسے دیکھتے ہی خوش ہو کر بولیں۔

"بھتیجا مبارک ہو......!"

"بھتیجا......؟" وہ یکدم ہلکی پھلکی ہو گئی پھر فوراً پوچھا۔

"بھابی کہاں ہیں......؟"

"اندر...... اللہ کا شکر ہے وقت پر دائی مل گئی تھی کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔" اماں تفصیل بتانے لگیں لیکن اس کا دھیان نومولود کی طرف تھا۔ اچھا اچھا کرتی ہوئی اندر بھاگ آئی اور بیگ ایک طرف پھینک کر پہلے بچے کو بازوؤں میں اُٹھایا پھر نبیلہ کو دیکھ کر شرارت سے ہنسی اور اس کے جھینپنے پر اسی انداز میں بولی۔

"سچ کہوں گی بھابی......! بچہ نہ آپ پر ہے نہ بھیا پر۔"

"پھر کس پر ہے......؟"

"یہ اپنے دادا پر ہے۔ بالکل ابا کی شکل کا لگ رہا ہے۔" وہ بچے کو دیکھتے ہوئے بولی۔ پھر اس کے نرم نرم

گال پر ہونٹ رکھ دیے۔

"اے پہلے منہ ہاتھ تو دھولو۔" اماں نے ٹوکا تو وہ مصنوعی حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا......؟ کیا بغیر وضو کے اسے پیار نہیں کیا جاسکتا......؟"

"لو...... میں نے وضو کرنے کو کب کہا......؟"

"تو اب کہہ دیجئے۔"

"باتیں بنانے کے بجائے جا کر کچن دیکھو۔ صبح سے کمر اکڑ گئی ہے۔" اماں کمر پکڑ کر بیٹھ گئیں تو اس نے بچے کو ان کی گود میں ڈال دیا پھر خصوصاً نبیلہ کے کھانے کا پوچھ کر کچن میں آگئی۔ کچھ دیر بعد بچے کے رونے کی آواز آئی تو اسے لگا کتنے دنوں سے اس گھر میں چھایا جمود ٹوٹنے لگا ہے۔ فضا بھی رنگ بدل رہی تھی۔ تب اسے بھیا کا خیال آیا اور یہ کہ اگر وہ یہاں ہوتے تو اس خوشی کا رنگ بھی کچھ اور ہوتا اور نبیلہ بھی یقیناً ان کی کمی کو شدت سے محسوس کر رہی ہوگی۔ پتا نہیں کیا کیا ارمان ہوں گے۔ اس کے دل میں وہ سوچتے ہوئے اندر آئی اور دراز میں سے اپنی جمع پونجی نکال کر اماں کے آگے رکھتے ہوئے بولی۔

"اماں......! کچھ مٹھائی وغیرہ منگوائیے ناں......؟" اور اماں ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولیں۔

"لو...... میری بھی مت ماری گئی ہے۔ کتنی بار پڑوس کے بچے کو بازار بھیجا، مٹھائی منگوانا بھول گئی۔"

"اب منگوا لیجئے......! بلکہ آپ خود لے آئیں۔" وہ اماں کو بھیج کر نبیلہ کے پاس آ بیٹھی اور اس سے ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگی۔

○○○

اگلے دن اس کا آفس جانے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا۔ اماں نے بھی کہا کہ چھٹی کر لو لیکن نئی نئی جاب تھی۔ ابھی پورا ایک مہینہ بھی نہیں ہوا تھا اس لئے دل نہ چاہتے ہوئے بھی جانا پڑا۔

آفس آئی تو معلوم ہوا یاسمین چھٹی پر چلی گئی ہے۔ وہ خاصی بددل ہوئی کیونکہ وہ تو ابھی سیکھنے کے مراحل میں تھی اور جب یاسمین ہی نہیں تھی تو اس کا کیا کام......؟ کچھ دیر تک یونہی فارغ بیٹھی رہی پھر سر سے چھٹی لینے کی غرض سے ان کے کمرے میں چلی آئی اور ان کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی کہنے لگی۔

"سر......! یاسمین تو نہیں آئی...... کیا میں بھی چلی جاؤں۔"

"جانا چاہیں تو چلی جائیں لیکن میرے گھر سے ہو کر جائیے گا۔" انہوں نے سہولت سے اسے اس کا اصل کام یاد دلایا اور وہ بہت جھنجھلاتی ہوئی باہر نکلی۔

(بھلا یہ کون سا وقت ہے جانے کا......؟ اس وقت تو سنی بھی اسکول میں ہوگا اور کیا بہانا کرے گی......؟)

تمام وقت یہی سوچتی رہی۔ گیٹ سے داخل ہوئی تو وہ لان میں کھڑا نظر آیا۔ ایک ہاتھ میں رول کیا ہوا اخبار تھا اور جانے کس خیال کی گرفت میں تھا کہ پیشانی کی لکیر گہری ہو گئی تھی۔ وہ متوجہ کرنے کے لئے ذرا سا کھانسی تو وہ چونک کر دیکھنے لگا اور بوکھلاہٹ میں وہ یہی کہہ سکی۔

"وہ سنی......؟"

"سنی تو اس وقت اسکول ہوتا ہے۔" خلافِ عادت اس نے نرمی سے جواب دیا لیکن وہ اپنی بوکھلاہٹ پر

قابو نہیں پا سکی۔

"جی......! مجھے معلوم ہے۔"

"پھر......؟" اس نے پوچھا پھر فوراً احساس ہونے پر کہنے لگا۔

"آپ پلیز......! اندر چلیں۔"

"نہیں بس......! یہیں ٹھیک ہے۔"

"کیا ٹھیک ہے......؟"

"میرا مطلب ہے میں ذرا جلدی میں ہوں بس یہ بتانے آئی تھی کہ آج میں سنی کو پڑھانے نہیں آسکوں گی۔" اپنی بات ختم کر کے اس کی طرف دیکھا تو وہ قدرے تعجب کے اظہار کے ساتھ بولا۔

"کمال ہے......! صرف یہی بتانے کے لئے آپ نے اتنی زحمت کی......؟"

"میں جاؤں......؟" اسے جانے کی جلدی تھی۔

"ایز یو لائک......!" وہ ذرا سے کندھے اُچکا کر لاتعلق سا ہو گیا تو وہ جلدی سے پلٹ کر باہر نکل آئی۔

اچانک ہی اس شخص کا دکھ محسوس ہونے لگا اور بلا ارادہ اس کے بارے میں سوچنے لگی کہ پتا نہیں پہلے کیسا ہوگا......؟ باس نے بتایا تھا کہ وہ اپنے حلقے میں بہت مقبول تھا اور اب ایک دم سے تنہا ہو کر پتا نہیں وہ زندہ کیسے تھا......؟ وہ سچ مچ اس سے ہمدردی محسوس کرنے لگی۔

پھر سارا دن وقفے وقفے سے اس کا دھیان آپ ہی آپ اس کی طرف چلا جاتا۔ کبھی اس کے کل کو سوچتی جب زندگی اپنی تمام تر خوبصورتیوں سمیت اس پر مہربان تھی۔ گو کہ وہ اس وقت اس سے نہیں ملی تھی پھر بھی سوچ سکتی تھی کہ وہ جو چاہتا ہوگا پالیتا ہوگا۔ سب کچھ اسے حاصل ہوگا اور آج وہ کتنا تہی دست تھا۔ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی غالباً لوگوں کے رویوں نے اسے اس درجہ مایوس کیا تھا کہ وہ خود پر زندگی کے دروازے بند کر رہا تھا۔

○○○

ابھی تک تو یہ جاب اس کی مجبوری تھی لیکن اس روز وہ ایک نئے عزم کے ساتھ اس گھر میں داخل ہو رہی تھی۔ سنی اپنا بیگ لے کر آیا تو وہ بڑے آرام سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کے اسٹڈی روم میں لے آئی اور وہ جس نے اس کی بات کو اہمیت نہیں دی تھی، وہ واقعی حیران ہو گیا اور اس سے پہلے کہ کچھ کہتا وہ بول پڑی۔

"ہم آپ کو ڈسٹرب نہیں کریں گے۔"

وہ سر جھٹک کر دوبارہ کتاب میں مصروف ہو گیا۔ تب وہ ٹیبل کے دوسرے سرے پر جا بیٹھی اور سنی کو دائیں طرف بٹھا کر فوراً ہی اس کی ڈائری دیکھنے لگی۔

"ٹیچر......! آپ کل کیوں نہیں آئی تھیں......؟" سنی بیگ میں سے کاپیاں نکالتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"کل مجھے کچھ کام تھا۔" اس نے جواب دینے کے ساتھ ڈائری اس کے سامنے رکھ دی اور ایک ایک سبجیکٹ کا ہوم ورک سمجھانے لگی۔ پھر جب سنی لکھنے میں مصروف ہو گیا تو اس کی نظریں شیشے کی الماریوں میں جھانکنے لگیں۔ موٹی موٹی جلدوں میں پتا نہیں کون سے اسرار بند تھے......؟ اس کا دل چاہا قریب جا کر دیکھے لیکن پتا نہیں وہ اجازت دے گا یا نہیں۔ اس خیال کے ساتھ ہی بے اختیار اسے دیکھا۔ وہ حد درجہ لاتعلق نظر آیا۔ جیسے

اس کے علاوہ کمرے میں کوئی موجود ہی نہ ہو اور بہت کوشش کے بعد بھی وہ اسے متوجہ کرنے کی ہمت نہیں کر سکتی تو سارا دھیان سنی پر مرکوز کر دیا۔ وہ ہوم ورک کر چکا تھا۔ دھیمی آواز میں اسے نظم (Poem) یاد کرانے لگی۔

Thank you!
For the world so sweet.
Thank you!
For the food we eat.
Thank you!
For the birds that sing.
Thank you!
For every thing.

پُرسکون خاموشی میں اس کی دھیمی دھیمی آواز نے خوبصورت ارتعاش پیدا کر دیا تھا اور بنا حرکت کیے وہ کتاب پر سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھنے لگا۔ ہلکے ہلکے سر ہلاتے ہوئے اس کا پڑھنے کا انداز بے حد دلنشیں تھا۔ سنی کو دُہرانے کا اشارہ کرتی پھر اس کے ایک ایک لفظ پر اس کا سر اسی انداز سے ہلتا۔ آنکھیں سنی کے معصوم چہرے کو بڑے پیار سے تک رہی تھیں۔ ہونٹوں کا کبھی پھیلنا کبھی سکڑنا اور کبھی ایک دوسرے سے ہم آغوش ہو جانا، وہ کوشش کے باوجود اس پر سے نظریں نہیں ہٹا سکا۔ یہ تو نہیں تھا کہ وہ پہلی بار کسی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ سال بھر پہلے کتنی لڑکیاں اس کی دوست تھیں اور ان میں نینا اور عینی کے ساتھ تو اس کی اچھی خاصی انڈرسٹینڈنگ بھی تھی لیکن انہیں دیکھ کر بھی وہ کبھی اس طرح بے اختیار نہ ہوا تھا اور شاید اس نے اپنے چہرے پر اس کی نظریں محسوس کر لی تھیں۔ کچھ عجیب سا لگا اور سنی کے ہاتھ سے کتاب لے کر اس طرح سامنے کی کہ درمیان میں پردہ سا حائل ہو گیا تھا۔ وہ ذرا سا چونکا اور خود کو سخت قسم کی سرزنش کرنے لگا۔ تبھی اس کی آواز آئی۔

"شاباش......!" وہ سنی سے مخاطب تھی۔ تم بہت اچھے بچے ہو۔ بہت جلدی یاد کر لیتے ہو۔ اب ذرا یہ بتاؤ کہ اس نظم (Poem) میں تمہیں کیا بتایا گیا ہے......؟"

"تھینک یو گاڈ!" بچے نے اپنی عمر اور سمجھ کے حساب سے کہا تو وہ اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے بولی۔

"ہاں......! ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ اس نے ہمیں اتنی بہت ساری اچھی چیزیں دی ہیں۔ اتنے پیارے رنگوں سے سجی یہ دُنیا، اتنی پیاری زندگی......"

"لیکن ٹیچر! ماما تو کہہ رہے تھے یہ دُنیا اچھی نہیں ہے۔" سنی نے اس کی بات درمیان میں اُچک لی۔

"آپ کے ماما غلط کہہ رہے تھے۔" وہ فوراً کہہ گئی اور اس نے جس انداز سے کتاب کو زور سے بند کیا اس سے وہ اندر ہی اندر سہم گئی کہ اب پتا نہیں اس کا کیا حشر ہونے والا ہے۔ کچھ دیر تک انتظار کرتی رہی اور جب ادھر سے کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں ہوا تب ہمت کر کے بولی۔

"ذرا اپنے ماما سے پوچھو سال بھر پہلے انہیں دُنیا کیسی لگتی تھی......؟" سنی نے ناسمجھی کے عالم میں اپنے ماموں کو دیکھا پھر اسے دیکھنے لگا۔ بولا کچھ نہیں۔ تب وہ جو ایک کتاب سے درمیان میں پردہ تانے بیٹھی تھی، اسے

ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولی۔

"بیٹا......! ہم انسان بڑے ناشکرے ہیں۔ جب تک خوبصورت جوان اور توانا ہوتے ہیں، دُنیا کے ساتھ بلکہ دُنیا کو اپنے ساتھ چلا رہے ہوتے ہیں۔ اس وقت تک دُنیا ہمیں بڑی اچھی لگتی ہے اور اس کی رنگینیوں میں کھو کر ہم تھینک یو گاڈ کہنا ہی بھول جاتے ہیں۔ پھر جب کسی وجہ سے ہم دُنیا کا ساتھ نہیں دے پاتے تو اسے بُرا کہتے ہیں۔ چ چ......! یہ تو اچھی بات نہیں ہے ناں......؟" سنی اس کی باتیں نہیں سمجھ رہا تھا پھر بھی آخر میں اس کے پوچھنے پر یونہی سر ہلانے لگا اور وہ سنی کو کب سنا رہی تھی، اس کی آڑ میں اس سے مخاطب تھی۔

"آپ کے ماما کو کم از کم آپ کے سامنے دُنیا کو بُرا نہیں کہنا چاہئے۔ اس لئے کہ آپ کے سامنے طویل زندگی ہے۔ اس میں آپ کو بہت کچھ پانا ہے اگر ابھی سے آپ کا معصوم دل دُنیا سے اُچاٹ ہو گیا تو اپنے ماما کی طرح آپ بھی ایک کمرے میں بند ہو کر بیٹھ جاؤ گے اور یہ اچھی بات نہیں ہے۔ آپ باہر نکلو، سارے رنگ آپ کے ہیں لیکن ایک بات یاد رکھنا بیٹا! کہ ان رنگوں میں کھو کر کبھی تھینک یو گاڈ کہنا نہیں بھولنا......او کے......؟"

وہ سنی کا گال تھپک کر ہلکے سے مسکرائی اور جانے اس کی اپنی زندگی پر اس وقت کون سا رنگ تھا کہ مسکراتے ہوئے بھی وہ بے حد اُداس اور تنہا سی لگ رہی تھی۔ بندہ خود تاریک راہوں پہ کھڑا ہو اور دوسروں کو روشنی کی بشارت دے۔ کمال تو تھا۔ وہ اچانک اس کے سامنے خود کو بہت چھوٹا محسوس کرنے لگا۔ کچھ مضطرب سے انداز میں اُٹھتے ہوئے بولا۔

"سنی......! آپ کی ٹیچر ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ دُنیا تو آج بھی اسی طرح خوبصورت ہے بس ہم......" اس کے دیکھنے پر وہ ہونٹ بھینچ کر الماری کی طرف بڑھ گیا۔ تب اس نے گھڑی پر نظر ڈالی پانچ بج رہے تھے۔

"چلو بیٹا......! اپنی کتابیں سنبھالو میں جا رہی ہوں۔" وہ کرسی دھکیل کر کھڑی ہو گئی اور سنی سے ہاتھ ملا کر دروازے تک آئی تھی کہ اس نے پکار لیا۔

"سنیں ٹیچر......!" اس نے رُک کر سوالیہ نظروں سے دیکھا تو مختصراً اتنا بولا۔

"تھینک یو......!" وہ نہیں سمجھی اور وضاحت سننے کے لئے پوری اس کی طرف گھوم گئی تب اسے اپنی بات کہنی پڑی۔

"آپ نے بروقت احساس دلا دیا ورنہ میں انجانے میں اس معصوم ذہن کو...... آپ پلیز......! بیٹھیں ناں......! میں چائے منگواتا ہوں۔" وہ اپنی پہلی کامیابی پر ذرا سا مسکرائی پھر معذرت کرتے ہوئے بولی۔

"سوری......! چائے کے لئے رُکی تو دیر ہو جائے گی۔"

"ڈرائیور چھوڑ آئے گا۔"

"سوری اگین......! میں گاڑی میں جانا افورڈ نہیں کر سکتی۔"

"آپ سمجھیں نہیں...... میں ٹیکسی کی بات نہیں کر رہا۔" وہ اس کے اُلجھنے پر محظوظ ہو کر بولی۔

"میں سمجھ گئی ہوں لیکن اپنی بات آپ کو نہیں سمجھا سکتی...... او کے......! خدا حافظ......!" وہ بڑے آرام سے اُسے اُلجھتا چھوڑ کر باہر نکل آئی۔

○○○

CamScanner

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ وہ جو اتنی ڈرپوک اور بزدل ہوا کرتی تھی وہ اس خوبی سے حالات سے نبرد آزما تھی کہ کسی کسی وقت اسے خود اپنے آپ پر حیرت ہوتی کہ وہ خود اندر سے شکستہ اور مایوس ہونے کے باوجود کس طرح دوسروں کو حوصلہ دینے کھڑی ہو جاتی ہے۔ بھیا کے لئے وہ خود بہت فکر مند تھی۔ گو کہ اب ان کے خط باقاعدگی سے آتے تھے لیکن وہ آئندہ کا سوچتی تھی یعنی عزیز رشتہ دار سب اتنا جانتے تھے کہ بھیا باہر گئے ہوئے ہیں۔ یہ کسی کے علم میں نہیں تھا کہ وہاں وہ اسیری کے دن کاٹ رہے ہیں اور ان کی واپسی پر ظاہر ہے لوگ اسی حساب سے ان کی پذیرائی کریں گے جیسے باہر سے آنے والوں کی کی جاتی ہے۔ پھر ان سے چھوٹے موٹے تحائف کا مطالبہ بھی کیا جائے گا اور وہ جو خود تہی دست ہوں وہ کسی کو کیا دیں گے بھلا......؟

(پتا نہیں اماں کی دُور رس نگاہیں ان حالات تک رسائی حاصل کر سکی تھیں یا نہیں......؟) وہ ضرور سوچتی اور کڑھتی تھی اس کے باوجود جب بھی نبیلہ کو آزردہ یا مایوس دیکھتی اسے سمجھانے بیٹھ جاتی۔ اس طرح اس کی اپنی زندگی میں دُور دُور تک کوئی دیا نہیں جلتا تھا۔ کچھ لوگ جو اس انتظار میں تھے کہ اس کا بھائی باہر سے اس کے لئے بہت سامان لے کر آئے گا وہ یقیناً بھیا کے خالی ہاتھوں کو دیکھتے ہی منہ موڑ لیں گے اس لئے کسی خوش فہمی کا دامن تھام کر کچھ دیر کو ہی سہی اپنی اندھیری راہوں میں کوئی دیا نہیں جلایا تھا۔ اس کے باوجود آغا جہانگیر کے راستے میں چراغ رکھ رہی تھی اور یہ بھی جانتی تھی کہ ان چراغوں کی روشنی میں جب وہ اپنا راستہ پا لے گا تو پھر سے اپنی اس دُنیا میں گم ہو جائے گا اور یہاں کچھ زیادہ حقیقت پسندی سے سوچتے ہوئے وہ کچھ غلطی کر رہی تھی۔ اسے خبر ہی نہیں تھی کہ وہ چراغوں کی لو اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہے۔

اگر دُنیا پھر سے حسین نظر آنے لگی ہے تو سارا حسن صرف اس کے وجود کا مرہونِ منت ہے۔ اگر زندگی سے پیار ہونے لگا ہے تو صرف اس کے لئے لیکن وہ اپنے جذبوں پر بند باندھنے پر مجبور ہے بلکہ بے حد خوفزدہ کہ ایسا نہ ہو کبھی انجانے میں ہی اظہار لبوں تک آ جائے اور جواب میں اگر لحاظ مروت کا دامن تھام کر وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی تب بھی اس کی ایک نظر اسے مار ڈالنے کے لئے کافی ہوگی۔ سارا دن اسے سوچتے اور اس کے انتظار میں گزرتا اور جب وہ آتی تو خود پر ہزار پہرے بٹھا دیتا۔ کبھی بے اختیار بولنے میں پہل کرتا تو کبھی رُک جاتا اور وہ کیونکہ بہت کم اسے براہِ راست دیکھتی تھی اس لئے سمجھ ہی نہیں پاتی تھی۔ قصداً بھی سر جھکا کر کبھی اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے اور اکثر سامنے رکھے گلدستے پر نظریں جما کر وہ روانی سے بول جاتی تھی۔ بہرحال اس عرصے میں وہ اس کے ساتھ ہلکے پھلکے موضوعات پر بڑے آرام سے بات کرنے لگا تھا اور ظاہر ہے کسی کو پڑھانے کا تو بہانہ تھا ورنہ اس کا اصل کام اسے مایوسیوں سے نکال کر یہ یقین دلانا تھا کہ وہ قابلِ نفرت نہیں ہے۔ اس لئے اب وہ بڑے آرام سے کسی کو چند منٹ میں ہوم ورک کروا کر فارغ کر دیتی پھر اس کے ساتھ کوئی موضوع چھیڑ دیتی اور ہر معاملے میں خود اس کی اپنی معلومات صفر ہوتی کیونکہ اس نے بہت محدود زندگی گزاری تھی جبکہ اس کی نہ صرف معلومات بلکہ مشاہدہ بھی بے حد وسیع تھا پھر بھی وہ ظاہر نہیں کر رہا تھا بلکہ کم بولتا اور اسے زیادہ موقع دیتا۔ پتا نہیں شاید وہ بولتی ہوئی اچھی لگتی تھی۔ اس وقت بات کرتے کرتے وہ اچانک اس سے پوچھنے لگی۔

"آپ اتنے الگ تھلگ سے کیوں ہو گئے ہیں......؟" اس نے کوئی جواب نہیں دیا تو خود ہی کہنے لگی۔

"غالباً لوگوں کے رویوں سے دلبرداشتہ ہو کر آپ نے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے لیکن یہ کوئی اچھی بات تو

نہیں ہے......؟"

"یہ آپ اس لئے کہہ رہی ہیں کہ یہ سب آپ کے ساتھ نہیں ہوا۔ آپ تصور بھی نہیں کر سکتیں کہ مجھے کیسی کیسی نظروں کا سامنا کرنا پڑا...... پھر لوگوں کے ریمارکس......" اس کے اندر ڈھیر ساری تلخی بھری تھی جو اس کے لہجے میں در آئی اور وہ بہت خاموشی سے اسے سننے لگی۔

"شروع میں میں یوں الگ تھلگ نہیں ہو گیا تھا۔ کیونکہ مجھے تنہا رہنے کی عادت ہی نہیں تھی۔ خود سے دوستوں کے پاس چلا جاتا لیکن مجھے دیکھ کر سب منہ موڑ لیتے اور پہلے میں نے اس بات کو اتنا محسوس نہیں کیا کیونکہ میں خود بھی آئینے میں اپنے آپ کو نہیں دیکھ سکتا تھا اور ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ جب تک میرے چہرے کے زخم اچھی طرح نہیں بھر جاتے سرجری ممکن نہیں ہے۔ بس پھر زخم بھرنے تک ایسے ایسے واقعات ہوئے کہ میں الگ تھلگ ہو گیا۔ اب آپ کہیں گی یہ تو اچھی بات نہیں ہے۔"

"جی......!" وہ کچھ شپٹا گئی اور قدرے توقف سے وہ گہری سانس لے کر بولا۔

"اب کیا اچھا ہے کیا بُرا......؟ یہ تو میں نہیں جانتا۔ بس میں نے اپنی الگ دُنیا بسا لی ہے۔ تنہائیاں بھی اچھی لگنے لگی ہیں۔ ایک عمر شور اور ہنگاموں میں گزری اور جیسا کہ آپ نے کہا تھا کہ رنگینیوں میں کھو کر انسان حقیقت کو بھول جاتا ہے تو میں بھی بھولا رہا یاد اس وقت آیا جب سب ساتھ چھوڑ گئے۔"

"یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہم سب کسی نہ کسی حادثے سے دوچار ہونے کے بعد ہی خدا کو یاد کرتے ہیں۔ اس سے پہلے تو وہی پہلی کلاس میں رٹا ہوا سبق زبانی دُہراتے ہیں کہ اللہ ایک ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، وہ بڑی قدرت والا ہے اور ہم مانتے اس کی قدرت کو اسی وقت ہیں جب ہمارے ساتھ کوئی انہونی ہو جاتی ہے۔"

اس کے لہجے میں غفلتوں کے دُکھ بول رہے تھے۔ پھر ایک نظر اس پر ڈال کر کہنے لگی۔

"بہرحال...... آپ اپنی اس الگ دُنیا میں مطمئن سہی پھر بھی آپ کو دوسروں کا خیال ضرور کرنا چاہئے۔ زندگی صرف اپنے لئے جینے کا نام نہیں ہے پھر آپ تو اپنے والدین کا واحد سہارا ہیں۔ دوسروں کے غلط رویوں کا بدلہ ان سے کیوں لے رہے ہیں......؟"

"کیا مطلب ہے آپ کا......؟" وہ جو سگریٹ سلگا رہا تھا، ایک دم سگریٹ ہونٹوں سے نکال کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں کوئی مشکل بات نہیں کر رہی۔ آپ کو خود سمجھنا چاہئے کہ آپ کی کنارہ کشی آپ کے والدین کے لئے کس قدر تکلیف کا باعث ہے۔ بیٹا جوان ہو جائے تو باپ خود کو پھر سے توانا محسوس کرنے لگتا ہے اور ماں کی تو ایک ہی آرزو ہوتی ہے۔" وہ بات کے اختتام پر قصداً اسے دیکھ کر مسکرائی اور وہ اپنے آپ پر ہنسا۔

"میں...... میں کیا کر سکتا ہوں......؟"

"سب کچھ کر سکتے ہیں بشرطیکہ خود کو اس زنداں سے باہر نکالے۔"

"نہیں......!" وہ کسی بچے کی طرح خوفزدہ ہوا اور وہ باقاعدہ اس کے سامنے جم گئی۔

"کیوں نہیں......؟"

"مجھ میں مزید تضحیک کا نشانہ بننے کا حوصلہ نہیں ہے۔" اس نے صاف گوئی سے اپنی کمزوری کا اعتراف

کیا۔

"اتنے کم حوصلہ لگتے تو نہیں آپ......؟" وہ جانے کس بنا پر کہہ گئی پھر فوراً سنبھل کر بولی۔

"بہرحال......! اس طرح نہیں تو پہلے سرجری کروالیں۔"

"نہیں......!"

اور اس بار وہ زچ ہو کر بولی۔

"کیوں نہیں......؟"

"بس نہیں......!" وہ ضدی لہجے میں بولا۔

"اپنے اس چہرے کے ساتھ میں نے دُنیا کو پہچانا ہے۔"

"تو پھر اسی چہرے کے ساتھ دُنیا کا سامنا کریں۔ ویسے میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ سب لوگ آپ کے دوستوں جیسے نہیں ہوتے...... صرف ظاہری خوبصورتی پر مرنے والے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر دوسرا شخص زنداں میں نظر آتا۔" اس نے ایک لحظہ رُک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا پھر سامنے گلدستے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔

"آپ پرواہ کیوں کرتے ہیں......؟ جو آپ کو دیکھ کر منہ موڑے آپ بھی منہ موڑ لیں۔ آپ صرف اپنے والدین کی پرواہ کرتے ہوئے ان کی آرزوؤں کی تکمیل کریں۔"

وہ بہت خاموشی سے اسے دیکھتا رہا اور اب جیسے اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا جب ہی کاغذی پھولوں کو چھیڑنے میں لگ گئی۔ کچھ دیر بعد وہ کہنے لگا۔

"میں اپنے ڈیڈی کا بازو بن سکتا ہوں لیکن ممی کی خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ میرے خیال میں کوئی ذی ہوش لڑکی مجھ سے شادی نہیں کر سکتی۔"

"یہ محض آپ کا خیال ہے۔" وہ بے دھیانی اور روانی میں کہہ گئی تو وہ کچھ دیر تک اسے دیکھتا رہا۔ پھر ایک دم اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں جکڑ کر بولا۔

"آپ......! آپ کریں گی مجھ سے شادی......؟"

وہ اپنی جگہ سُن ہو کر رہ گئی اور سینے کے اندر دل پتے کی طرح لرزنے لگا تھا۔

"جواب دیں ربیعہ......! میرے ساتھ چل سکتی ہیں......؟" اس کا انداز بے حد جارحانہ تھا اور اس کے ہاتھ کو اتنی زور سے دبایا کہ تکلیف سے اس کی آنکھوں میں پانی اُتر آیا، ہونٹ کاٹتے ہوئے چہرہ دوسری طرف موڑ گئی تب اس کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے تاسف سے بولا۔

"جب آپ میرا ساتھ نہیں دے سکتیں ربیعہ......! تو سمجھ لیں کوئی نہیں دے سکتا۔"

وہ پھر سے مایوسیوں کے پاتال میں اُتر رہا تھا اور اس مقام پر وہ اتنی بے بس تھی کہ ایک لفظ نہیں کہہ سکی۔ بمشکل تمام خود کو سہارا دے کر کھڑی ہوئی اور اس کی طرف دیکھے بغیر باہر نکل آئی۔

○○○

تین دن سے وہ نہ آفس جا رہی تھی اور نہ سنی کو پڑھانے۔ گھر میں بھی کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ عجیب سی بے کلی تھی۔ بے نام سی اُداسیاں اور ذہن یکسوئی سے کچھ سوچ ہی نہیں پا رہا تھا۔ شاید اس کے گمان میں

بھی نہیں تھا کہ بات بڑھتے بڑھتے اس حد تک آ جائے گی۔ وہ تو اپنی ڈیوٹی نبھا رہی تھی۔ لیکن نہیں اب اس پر ادراک ہو رہا تھا اور بے نام سی اُداسیاں بھی گواہ تھیں کہ یہ صرف اس کی ڈیوٹی نہیں تھی۔ ڈیوٹی تو صرف آفس کی حد تک تھی۔ اس کے بعد کوئی اور ہی جذبہ تھا جو کشاں کشاں اس کے گھر کی طرف لے جاتا تھا اور اس جذبے کو وہ کوئی نام کیا دیتی خود سے بھی پوشیدہ رکھتی رہی تھی کہ وہ تو پھر سے دُنیا کی رنگینیوں میں گم ہو جائے گا تب وہ کہاں اسے ڈھونڈتی پھرے گی اور اگر ڈھونڈ بھی لیا تو وہ کہاں پہچانے گا بھلا......؟ شاید اپنی یادداشت کھنگالتے ہوئے کہہ دے۔ آپ سنی کی ٹیچر ہیں۔ بے حد آزردگیوں میں گھری وہ مسلسل اسی نہج پر سوچ رہی تھی کہ نبیلہ نے آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں......؟ کوئی پریشانی ہے تو بتاؤ......؟" اس نے گہری سانس کھینچ کر اندر کی آزردگی سے چھٹکارا پانے کی کوشش کی اور خالی نظروں سے نبیلہ کو دیکھا تو وہ پوچھنے لگی۔

"کیا جاب چھوٹ گئی ہے......؟"

"نہیں تو......!"

"پھر آفس کیوں نہیں جا رہیں......؟"

"بس......! کچھ اُکتاہٹ سی ہونے لگی تھی۔ میں نے سوچا ایسا نہ ہو غلطیوں پر غلطیاں کرتی جاؤں اور ہمیشہ کے لئے چھٹی ہو جائے اس سے پہلے خود ہی ہفتے بھر کی چھٹی لے لی۔" اس نے خوبصورتی سے بات بنانے کی کوشش کی لیکن نبیلہ بغور اسے دیکھ رہی تھی پُرسوچ انداز میں بولی۔

"مجھے لگتا ہے تم کوئی غلطی کر چکی ہو۔" اس کا دل یکبارگی زور سے دھڑکا۔ نظریں چراتے ہوئے بولی۔

"اب تو خمیازہ بھگت رہی ہوں۔"

"کیا مطلب......؟ کس بات کا خمیازہ بھگت رہی ہو......؟" نبیلہ سمجھی نہیں پھر بھی تشویش کا اظہار کیا تو وہ قصداً زور سے ہنس پڑی اور اسی طرح ہلکے پھلکے انداز میں بتانے لگی۔

"بس بھابی......! شروع میں غلطی ہو گئی جو میں نے باس کی بات مان لی تھی۔ گو کہ انہوں نے مجھے سوچنے کو وقت دیا تھا لیکن ہمارے پاس وقت نہیں تھا۔ گھر کے حالات کے پیش نظر مجھے فوراً ہامی بھرنی پڑی ورنہ شاید میں منع کر دیتی کیونکہ یہ جاب میرے بس کی بات نہیں تھی۔ بہرحال اپنی اسی غلطی کا خمیازہ بھگت رہی ہوں۔" اس بار وہ بات بنانے میں کامیاب ہوئی تو نبیلہ اس سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔

"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ یہ تم پر ظلم ہے۔ جاب کرنا تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔ ایسا کرو چھوڑ دو۔ ایک دو مہینے میں تمہارے بھیا بھی آنے والے ہیں۔"

"ہاں وہ تو جیسے......" وہ کڑوا سچ بولنے جا رہی تھی کہ ایک دم ہونٹ بھینچ لئے اور نبیلہ نادان نہیں تھی، دُکھ سے بولی۔

"ٹھیک کہتی ہو۔ ان کے آنے سے کون سا ہمارے دُکھ دُور ہو جائیں گے۔"

"ارے......! آپ بھی کمال کرتی ہیں۔ بھیا آ جائیں گے یہ کیا کم خوشی کی بات ہے۔" پھر اس کے بازو میں چٹکی کاٹتے ہوئے بولی۔

"بہت دوغلی ہیں آپ......! خط میں تو لکھ رہی تھیں میرا تحفہ ہو...... تم ہی لوٹ کے آ جاؤ۔"

"اس میں دوغلا پن کیا ہے......؟"

"بتاؤں کیا ہے......؟" اس نے گدگدانے کے لئے ہاتھ بڑھایا لیکن نبیلہ اُٹھ کر بھاگ گئی۔

رات میں سونے کے لئے لیٹی تو پھر وہی سوچیں تھیں اور دُکھ صرف اس بات کا نہیں تھا کہ وہ ہار رہی تھی اس شخص کا خیال زیادہ بے چین کر رہا تھا جو اچانک اس کا ہاتھ تھام گیا تھا اور اس کے منہ موڑ لینے پر پتا نہیں اس پر کیا بیتی ہوگی۔ ٹھیک تو کہہ رہا تھا وہ کہ جب آپ میرا ساتھ نہیں دے سکتیں ربیعہ! تو سمجھ لیں کوئی نہیں دے سکتا۔ (اور میں تمہارا ساتھ کیسے دے سکتی ہوں آغا......! میں تو بہت عام سی لڑکی ہوں)۔ اسے اپنی کم مائیگی کا احساس رُلا گیا تھا۔ کتنی دیر بے آواز آنسوؤں سے تکیہ بھگوتی رہی پھر سوچا وہ اسے ساری صورتِ حال سچ بتا دے گی کہ وہ محض تنخواہ دار ملازم ہے جو ڈیوٹی اسے سونپی گئی، وہ وہی نبھا رہی تھی اور یہ بھی سچ ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کی طرح اسے دیکھ کر منہ نہیں موڑ سکتی اور یہ ساری باتیں اس کے سامنے کہنے کے لئے بہت ہمت چاہیے تھی جو اس میں نہیں تھی۔ تب اس نے ٹیلی فون کا سہارا لیا۔ اگلی صبح اماں سے آفس فون کرنے کا کہہ کر قریبی پی سی او سے اسے رنگ کر ڈالا۔

"آغا جہانگیر اسپیکنگ......!" خاصا عجلت بھرا انداز تھا اور وہ اس کی آواز سن کر ہی سب بھول گئی۔ بمشکل کہہ پائی۔

"جی میں ربیعہ......!" دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ کچھ دیر وہ انتظار کرتی رہی کہ وہ کچھ کہے تب بات بڑھے لیکن وہ کچھ نہیں بولا اور اس کی اور کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو کہنے لگی۔

"ایسا ہے کہ میں دو تین روز سنی کو پڑھانے نہیں آ سکوں گی۔"

"پچھلے تین روز سے بھی آپ نہیں آ رہیں اور مزید کوئی چھٹی نہیں ہوگی...... آپ کو آج آنا ہے۔" وہ قدرے سخت انداز میں حکم صادر کر کے فون بند کر گیا اور وہ پریشان ہو گئی۔ پھر خود کو کوستی رہی کہ ناحق فون کیا۔ آرام سے تین دن بعد جاتی اور اس وقت وہ جو کہتا سن لیتی۔ اب اگر نہیں جائے گی تو گڑبڑ ہو جائے گی۔

دوپہر تک وہ نہ صرف اس کے لہجے کو سوچتی رہی جس میں تحکم اور کرختگی تھی بلکہ یہ بھی کہ پتا نہیں اب اس کے ساتھ کس طرح پیش آئے اور اس معاملے میں وہ خاصی بزدل تھی۔ جیسا کہ باس نے بتایا تھا کہ خلافِ مزاج بات ہو جانے پر وہ چیخنے چلانے لگتا ہے اور اسے لگ رہا تھا جیسے اب وہ مرحلہ آ گیا ہے۔

تمام راستہ وہ خود کو اس نئی صورتِ حال کے لئے تیار کرتی رہی۔ پھر بھی جب اس کے گھر میں داخل ہوئی اندر سے بہت سہمی ہوئی تھی۔ سنی اپنا بیگ لے کر اس کے اسٹڈی روم کی طرف جانے لگا تو اس نے بہت خاموشی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا پھر دھیمی آواز میں بولی۔

"آؤ......! ادھر سٹنگ روم میں چلتے ہیں۔"

سنی نے اس سلسلے میں کوئی سوال نہیں کیا چپ چاپ اس کے ساتھ آ گیا پھر جب بیٹھا تو پوچھنے لگا۔

"ٹیچر......! آپ کیوں نہیں آ رہی تھیں......؟"

"میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔" وہ سرسری انداز میں کہہ کر اس کی ڈائری دیکھنے لگی۔

"لیکن ماما تو کہہ رہے تھے آپ ڈر گئی ہیں۔" سنی نے سادگی سے کہا تو وہ چونک کر بولی۔

"کس سے......؟"

"پتا نہیں......!" سنی نے لاعلمی کا اظہار کیا تو وہ کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہی پھر ڈائری اس کے سامنے رکھ کر بولی۔

"چلو...... آپ اپنا ہوم ورک کرو۔" سنی لکھنے میں مصروف ہو گیا اور وہ دل ہی دل میں دعائیں مانگنے لگی کہ اس سے سامنا نہ ہو کیونکہ وہ ہرگز بھی خود میں اتنی ہمت نہیں پا رہی تھی۔ عجیب مشکل تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ابھی وہ ہر شے کو ٹھوکر مارتا ہوا اس کے سامنے آ کھڑا ہوگا پھر کہے گا۔ جواب دو کیا تم میرے ساتھ چل سکتی ہو......؟ اور اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ ہاں یا نہیں کہنا آسان تھا۔ بات ہی ختم ہو جاتی جبکہ وہ تیسرے راستے پر کھڑی تھی جہاں کبھی مصلحتیں دامن تھامتیں کبھی مجبوریاں اور کبھی کوئی خواہش چپکے سے سرگوشی کر جاتی۔ بہرحال مسلسل دھڑکے سے پریشان ہو کر اس نے کچھ ڈرتے ہوئے سنی سے پوچھا۔

"سنو بیٹا......! آپ کے ماما کہاں ہیں......؟"

"آفس......!" سنی نے ہنوز مصروف رہ کر مختصر جواب دیا اور اسے سچ مچ اپنی سماعتوں پر شبہ ہوا۔

"کیا......؟ کیا کہا آپ نے......؟ کہاں ہیں آپ کے ماما......؟"

"ماما آفس گئے ہیں۔" اس کے بے تابانہ پوچھنے پر سنی نے معصومیت سے اسے دیکھا پھر اسی انداز میں بولا۔

"تھینک یو گاڈ......! ماما آفس جانے لگے ہیں۔ ٹیچر آپ بھی کہیں ناں......!"

"ہاں تھینک یو گاڈ......!" وہ چونک کر بولی اور صوفے کی بیک پر سر رکھا تو اچانک آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ کوئی نیا انوکھا احساس تھا۔ شاید پا لینے سے بھی بڑھ کر جس کی گرفت میں آ کر وہ کچھ دیر کو سب بھول گئی۔ گلاس وال سے پرے پھولوں پر خوبصورت رنگوں کی تتلی منڈلا رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں ٹھہری نمی نے اس منظر کو قدرے دھندلا دیا تھا پھر بھی وہ اسی پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ تبھی ڈرائیو وے پر گاڑی آن رکی۔ پھول، تتلی پس منظر میں چلے گئے اور وہ منظر پر آ گیا۔ آف وائٹ سفاری سوٹ میں اس کا دراز قد اور نمایاں ہو گیا تھا۔ قدم مضبوطی سے جماتا وہ اس طرف آ رہا تھا اور وہ جیسے اپنی جگہ پتھر ہو گئی تھی۔ حواس تک ساتھ نہیں دے رہے تھے بس سینے کے اندر ایک دل تھا جو اس کے ہر قدم کے ساتھ دھڑک رہا تھا۔ پھر عین اس کے سامنے آ کر وہ رک گیا اور سنی کو مخاطب کر کے بولا۔

"سنی......! آپ جاؤ......! باقی ہوم ورک شام میں کر لینا۔"

"لیکن ماما......! ٹیچر تو چلی جائیں گی۔"

"میں کرا دوں گا۔ تین دن سے بھی تو میں کروا رہا تھا...... جاؤ شاباش......!"

سنی اپنی کتابیں بیگ میں رکھ کر کھڑا ہوا تو اس کے ساکت وجود میں ذرا سی حرکت ہوئی۔ بے حد سہمی ہوئی نظروں سے سنی کو جاتے ہوئے دیکھنے لگی۔ وہ دروازے سے نکل گیا تب بھی وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔

"ربیعہ......!" بالآخر اسے متوجہ کرنا پڑا اور متوجہ ہوتے ہی وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ ٹیبل پر سے اس

نے اپنا بیگ اُٹھایا۔ پھر جیسے ہی جانے کے لئے قدم بڑھایا، وہ بول پڑا۔

"میں نے آپ کو جانے کے لئے تو نہیں کہا۔"

"یہ تو طے نہیں ہے کہ آپ کہیں گے تب ہی میں جاؤں گی۔" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولی۔

"لیکن وقت تو طے ہے۔ آپ پانچ بجے سے پہلے نہیں جا سکتیں اور ابھی صرف چار بجے ہیں۔"

(اُف......!)۔ وہ پتا نہیں کیا چاہتا تھا......؟ وہ خاصی جز بز ہو کر بولی۔

"جب سنی کو پڑھانا نہیں تو میں کیا کروں......؟"

"اس سے پہلے کیا کرتی تھیں......؟ سارا وقت تو آپ کا سنی کو پڑھانے میں نہیں گزرتا تھا......؟" ہلکے سے طنز کے ساتھ اس نے جتایا تو وہ روہانی ہو گئی۔

"پلیز......! مجھے جانے دیں۔"

"مجھ سے خائف ہیں۔ اطمینان رکھیں میں آپ کا محاسبہ نہیں کروں گا گو کہ یہ میرا حق ہے پھر بھی میں آپ سے یہ بھی نہیں پوچھوں گا کہ ایک ٹوٹے ہوئے شخص کو مزید توڑ کر کیا ملا آپ کو؟" اس کے لہجے کی شکستگی چھپائے نہ چھپی اور اسے زیادہ دکھ اسی بات کا تھا۔ بہت بے قرار ہو کر اس کی طرف دیکھا تو وہ ذرا سے کندھے اُچکا کر بولا۔

"جا سکتی ہیں آپ......!"

وہ بہت بوجھل قدموں سے باہر نکل آئی۔ پھر ابھی اس کی چھٹی باقی تھی لیکن جس کی وجہ سے گھر بیٹھ رہی تھی اس سے تو سامنا ہو گیا تھا پھر مزید چھٹی کا کیا فائدہ تھا اُلٹا فراغت پریشان ہی کر رہی تھی۔ اس لئے اگلے دن وہ آفس چلی آئی۔ اسے دیکھ کر یاسمین نے تعجب کے اظہار کے ساتھ کہا۔

"ہائیں......؟ تمہیں تو ہفتے کو آنا تھا......؟"

"تمہارے خیال سے چلی آئی کہ تم بور ہو رہی ہو گی۔" اس نے مسکرا کر محبت جتائی لیکن وہ ہاتھ جوڑ کر بولی۔

"میرا خیال مت کرو بی بی......! مجھے تنہائی بہت عزیز ہے۔"

"بہت ناشکری ہو تم......! ایمان سے اگر میرے گھر میں اتنے افراد ہوتے تو میں......"

"شکر کرو نہیں ہیں۔" یاسمین نے فوراً ٹوک دیا پھر ایک فائل اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولی۔

"لو اب آ ہی گئی ہو تو اسے دیکھ لو اور ذرا دھیان سے دیکھنا۔ غلطی ہو گئی تو وہ گوریلا ہرگز نہیں چھوڑے گا۔"

"کون گوریلا......؟" صفحے پلٹتے ہوئے اس نے سرسری انداز میں پوچھا۔

"ارے ہاں......! تم نے تو نہیں دیکھا۔ خیر آج دیکھ لینا۔ اپنے باس کے صاحبزادے ہیں...... مسٹر آغا جہانگیر۔" یاسمین نے بتایا تو صفحہ پلٹتے ہوئے اس کا ہاتھ وہیں رُک گیا اور ابھی نئی صورتِ حال کو سوچتے جا رہی تھی کہ یاسمین اس کی طرف جھک کر بولی۔

"اُف......! کیا بتاؤں تمہیں کیا شخص ہے......؟ دیکھ کر جھرجھری آ جاتی ہے۔ سچ مجھ سے تو نہیں دیکھا جاتا فوراً منہ موڑ لیتی ہوں۔" اسے جیسے کسی نے سرد خانے میں دھکیل دیا۔ بہت چاہنے اور کوشش کے باوجود یاسمین کو ٹوک نہیں سکی جو باقاعدہ اس کا نقشہ کھینچنے لگی تھی پھر غالباً باس کو آتے دیکھ کر اپنے کام میں مصروف

ہو گئی اور اس سے اب کام نہیں ہو سکتا تھا۔ ہاتھوں میں سکت ہی نہیں رہی تھی جو صفحہ سامنے کھلا تھا نظریں اسی پر اِدھر سے اُدھر بھٹکتی رہیں۔ کتنی دیر گزر گئی۔ چپڑاسی چائے لے آیا وہ بھی پڑی پڑی ٹھنڈی ہو گئی، اسے پتا بھی نہیں چلا اور اسی بات نے یاسمین کو چونکایا۔ کیونکہ چائے کے معاملے میں وہ ذرا تکلف نہیں کرتی تھی جیسے ہی آتی فوراً کپ اُٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیتی۔

"خیریت......؟ یہ تمہاری چائے کیسے رکھی رہ گئی......؟" یاسمین نے کہتے ہوئے اسے دیکھا پھر اس کے گم صم انداز پر اس کا ہاتھ ہلا کر پوچھنے لگی۔

"کیا ہوا ہے......؟ تم ٹھیک تو ہو......؟" اس نے ایسے ہی انداز میں ذرا سا اثبات میں سر ہلا دیا۔

"نہیں......! مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔"

"میں ٹھیک ہوں......!" اس نے گہری سانس کھینچی پھر قصداً مسکرا کر بولی۔

"مجھے تمہاری باتوں نے چکرا دیا تھا۔"

"پھر تو تم فوراً گھر چلی جاؤ کیونکہ اسے دیکھ کر تو تمہارا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔"

"بکومت......!" اس نے ناگواری سے ٹوکا پھر کمپیوٹر پر ڈسک لگا رہی تھی کہ انٹرکام پر باس کا بلاوا آ گیا۔

وہ ڈسک یاسمین کو تھما کر باس کے کمرے میں آ گئی اور انہوں نے بھی وہی کہا۔

"ابھی آپ کی دو دن کی چھٹی باقی تھی۔"

"یس سر......! لیکن اب مجھے چھٹی کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اچھی بات ہے...... بیٹھیں......!" وہ بیٹھ گئی تو کہنے لگے۔

"مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ آپ نے آغا کو گھر سے باہر نکلنے پر آمادہ کر لیا۔ وہ آفس آنے لگا ہے اور گو کہ ابھی لوگوں کے ساتھ اس کا رویہ کِھنچا کِھنچا سا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں آہستہ آہستہ نارمل ہو جائے گا۔"

"جی......!" ان کے خاموش ہونے پر اسے یونہی کہنا پڑا۔

"اور ہاں......! میں آپ کے آفس ورک سے بھی بہت خوش ہوں۔ بہت جلدی سیکھ لیا آپ نے اب آپ......" دروازہ کھلنے سے ان کی بات اُدھوری رہ گئی اور وہ ادھر دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولے۔

"آؤ آغا......! ابھی میں تمہارا ہی ذکر کر رہا تھا۔"

(اُف!)۔ اس کا دل اتنی زور زور سے دھڑکنے لگا۔ سچ مچ اسے لگا جیسے ابھی اس کا ساتھ چھوڑ جائے گا۔

"کس سلسلے میں......!" وہ کہتا ہوا اس جگہ جا بیٹھا جہاں اوّل روز جب وہ انٹرویو کے لئے آئی تھی تو باس نے اسے بٹھایا تھا اور بیٹھتے ہی نظر اس پر پڑی تو اپنی جگہ ٹھٹک گیا۔ پھر اسی انداز میں رُک کر بولا۔

"آ...... آپ......! سنی کی ٹیچر۔"

"سنی کی نہیں تمہاری......!" ہر دو کی کیفیت سے بے خبر باس نے خوشگوار لہجے میں کہا۔ کاش وہ اتنی باہمت ہوتی کہ انہیں مزید کچھ کہنے سے روک سکتی اور اپنی بے بسی پر اس کی آنکھیں دھندلا گئیں۔ دھند کے اس پار وہ شخص اپنے باپ سے تفصیل سنتے ہوئے سناٹے میں نظر آ رہا تھا اور واقعی یہ ستم ظریفی تھی کہ جب جذبے اپنا آپ منوا چکے تھے۔ باس وہی پرانی کہانی لے بیٹھے تھے۔ وہ بمشکل تمام خود کو گھسیٹتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی اور

کرسی پر گرتے ہی دوپٹے کے پلو سے پلکوں تک آئی نمی صاف کرنے لگی۔

''کیا ہوا ربیعہ......؟'' یاسمین نے نرمی سے پوچھا تو وہ عاجزی سے بولی۔

''مجھے اس وقت نہیں چھیڑنا ورنہ میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگوں گی۔''

یاسمین کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہی پھر اس خیال سے کہ کہیں وہ رونے نہ لگے، اپنے کام میں مصروف ہو گئی اور وہ اس بری طرح بکھر گئی تھی کہ خود کو سمیٹنا مشکل ہو رہا تھا۔ کاش وہ کل ہی آغا کو ساری حقیقت بتا دیتی۔ کتنا فرق پڑتا اس کے نہ بتانے اور باس کے بتانے سے۔ گو کہ حقیقت تو وہی تھی جو باس اسے بتا رہے تھے لیکن اس میں اس کے جذبے شامل نہیں تھے اور اب دُکھ صرف اس بات کا نہیں تھا کہ وہ کبھی اسے یقین نہیں دلا سکے گی زیادہ دُکھ پھر اس کا تھا کہ وہ بے اعتبار ہو گیا تھا نہ صرف اس کا بلکہ کبھی کسی کا یقین نہیں کرے گا۔ کتنی دیر بعد یاسمین نے پھر اسے دیکھا وہ اذیتوں کے پل صراط عبور کرتی نظر آ رہی تھی۔ تب اس نے بڑے خلوص سے مشورہ دیا۔

''سنو......! ایسا کرو تم گھر چلی جاؤ۔''

''نہیں......!'' وہ بنا چونکے خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگی اور اس سے پہلے کہ یاسمین اپنی بات دُہراتی وہ ان کے سر پر آ کھڑا ہوا۔ یاسمین نے فوراً اپنی نظریں اسکرین پر جما دیں۔ انداز سے ظاہر تھا کہ اس کی طرف دیکھنا نہیں چاہتی اور وہ دیکھنا چاہتی تھی لیکن پلکیں اُٹھ کر نہیں دیں اور وہ پتا نہیں کیا سوچ کر آیا تھا۔ ایک نظر اس پر ڈال کر یاسمین سے پوچھنے لگا۔

''کیا ہو رہا ہے......؟''

''سر! یہ باس نے کچھ لیٹرز بھجوائے تھے وہ۔'' اتنی بولڈ ہونے کے باوجود پتا نہیں کیوں یاسمین بوکھلا گئی۔

''اور یہ آپ کے ساتھ کون ہیں......؟''

''ربیعہ......! سر یہ چھٹی پر تھیں آج آئی ہیں۔'' یاسمین نے پیپر ویٹ کے نیچے رکھے کاغذات میں جانے کیا تلاش کرتے ہوئے جواب دیا تو وہ ایک دم ٹیبل پر اپنے دونوں ہاتھ جما کر قدرے آگے جھکتا ہوا بولا۔

''مس یاسمین......! اِدھر دیکھیں۔''

''جی......!'' یاسمین نے ٹپٹا کر دیکھا لیکن پھر فوراً نظروں کا زاویہ بدل لیا تو وہ ذرا سا ہنس کر بولا۔

''ڈریں نہیں......! میں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ نقصان تو وہ پہنچاتے ہیں جو بظاہر سادہ اور معصوم نظر آتے ہیں...... کیوں مس ربیعہ......؟'' اچانک اس کی طرف مڑا اور وہ جو اسے ہی دیکھ رہی تھی اس کی چبھتی ہوئی نظروں سے کٹ کر رہ گئی۔

''او کے......! سی یو......!'' وہ ایسے ہی چبھتے ہوئے لہجے میں کہہ کر چلا گیا تو یاسمین جھرجھری لے کر بولی۔

''کہیں تم سچ مچ مر تو نہیں گئیں......؟''

''مرنا اپنے اختیار میں کہاں......؟'' اس کا انداز اور لہجہ کھویا کھویا تھا۔

''ہائیں......؟'' یاسمین بے حد حیران۔ پھر اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرا کر بولی۔

''کون سی دُنیا میں ہو......؟''

''اسی دُنیا کے رنگ دیکھ رہی ہوں۔'' اس نے گہری سانس کھینچ کر اپنے اندر کی آزردگی کم کرنے کی کوشش

کی پھر ہلکے سے بڑبڑائی۔

''تھینک یو گاڈ......! فار ایوری تھنگ۔'' پھر روزانہ تو وہ تین بجے آفس سے نکل جاتی تھی اس کے بعد باس کے گھر جانا ہوتا تھا لیکن اس روز وہ تین بجے کے بعد بھی بیٹھی رہی کیونکہ اس کے خیال میں اب اس کا کام ختم ہو گیا تھا۔ دو ایک بار یاسمین نے ٹوکا بھی کہ اس کی چھٹی کا وقت ہو گیا ہے اور وہ بس ہوں ہاں کر کے رہ گئی۔ آخر یاسمین نے جھنجلا کر پوچھا۔

''کیا باس نے تمہارا ٹائم بڑھا دیا ہے......؟''

''آخر تمہیں میرے بیٹھنے سے تکلیف کیا ہے......؟'' وہ چڑ کر بولی۔

''لو...... میں تو ایک بات پوچھ رہی ہوں۔ میری بلا سے قیامت تک یہیں بیٹھی رہو۔'' یاسمین نے برا مان کر اس کی طرف رُخ موڑ لیا تب احساس ہونے پر وہ فوراً اس کا بازو تھام کر بولی۔

''سوری یار......! اصل میں میں......''

''بس......! اس وقت مجھے نہیں چھیڑو ورنہ میں تمہارا حشر خراب کر دوں گی۔'' یاسمین نے اس کی بات دوسرے انداز میں لوٹائی تو وہ ہنس پڑی۔

''ٹھیک ہے نہیں چھیڑوں گی...... بس اتنا بتا دو ناراض تو نہیں ہو ناں......؟''

یاسمین نے گھورنے پر اکتفا کیا۔ تب وہ اپنا بیگ اُٹھا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''چلتی ہوں...... باس سے کہوں گی میرا کہیں اور انتظام کر دیں۔ تمہیں میرا وجود برداشت نہیں ہوتا۔'' وہ کہتی ہوئی باہر نکلی تو سوچا باس سے پوچھ لے کہ اب اس کے لئے کیا حکم ہے۔ ان کے کمرے میں آئی تو وہ موجود نہیں تھے اور ان کے پی اے سے معلوم ہوا کہ وہ سائٹ پر گئے ہیں۔ تب اگلے دن پر ٹالتی ہوئی وہ باہر آ گئی۔ گو کہ دُھوپ میں شدت نہیں تھی لیکن گرمی عروج پر تھی اور آج تو اسے گھر جانا تھا۔ گھڑی پر نظر ڈالی ساڑھے تین ہو چکے تھے۔ پہلا خیال یہی آیا کہ جلدی جانے پر اماں ٹوکیں گی لیکن اب وہ کیا کر سکتی تھی۔ کہیں اِدھر اُدھر بیٹھ کر تو وقت گزارنے سے رہی۔ لہٰذا سر جھٹک کر اسٹاپ کی طرف چل پڑی اور ابھی چند قدم ہی بڑھی تھی کہ آغا نے گاڑی اس کے بالکل قریب آن روکی اور باقاعدہ اُتر کر بولا۔

''آیئے ٹیچر......! آج سے آپ کو لے جانے کی ذمہ داری میری۔'' وہ اسے دیکھ کر ہی گھبرا گئی تھی۔ اس کی بات پر تو پریشان ہو گئی۔ بمشکل تھوک نگل کر بولی۔

''نہیں......! میں چلی جاؤں گی۔''

''لیکن مجھے یہ اچھا نہیں لگے گا کہ میں تو گاڑی سے جاؤں اور میری ٹیچر......''

''میں اپنے گھر جا رہی ہوں۔'' اسے ٹوک کر بتانا پڑا۔

''کیوں......؟ میرا مطلب ہے یہ وقت تو آپ کا میرے لئے مخصوص ہوتا ہے یا آپ کے خیال میں اب مجھے ٹیچر کی ضرورت نہیں رہی۔'' بظاہر کتنے ہلکے پھلکے انداز میں بات کر رہا تھا لیکن وہ جانتی تھی اپنے اندر کیا آتش فشاں لئے کھڑا ہے اور وہ ہرگز بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ خود کو انتہائی بے بس محسوس کرتے ہوئے دُور سے آتی بس کو دیکھنے لگی۔ تب اس کے لئے دروازہ کھولتے ہوئے وہ قدرے تحکم سے بولا۔

CamScanner

"بیٹھ جائیں......! مجھے ابھی آپ کی ضرورت ہے۔ آئی مین ٹیچر کی جو مجھے دُنیا کا سامنا کرنا سکھا سکے۔" لگتا تھا سارے حساب بے باق کر دے گا۔ تھوڑی کوشش سے وہ خود کو سہارا دینے میں کامیاب ہو گئی تو براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولی۔

"سوری......! آپ اپنے لئے کسی اور ٹیچر کا انتظام کر لیں۔"

"کہاں ملے گی ایسی ٹیچر جو مجھے، میری آنکھوں میں دیکھ کر بات کرے؟" وہ ذرا سا سر اُونچا کر کے ادھر اُدھر نظریں بھٹکاتے ہوئے بولا تو اسے لگا وہ یہیں ڈھے جائے گی۔ پھر قدرے توقف سے اسے دیکھ کر کہنے لگا۔

"بہر حال......! جب تک دوسری ٹیچر کا انتظام نہیں ہوتا تب تک تو آپ کو میرے ساتھ چلنا ہو گا ورنہ ممکن ہے میں دوبارہ اپنی اس تنہا دُنیا میں لوٹ جاؤں۔"

وہ سمجھ گئی کہ وہ ہرگز اسے نہیں بخشے گا جب ہی ہتھیار ڈالتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے......! آپ چلیں میں بھی آ رہی ہوں۔"

"آ رہی ہوں سے کیا مطلب......؟ گاڑی میں بیٹھیں ورنہ......" وہ غالباً اس کا ہاتھ پکڑنا چاہتا تھا اور اس کا ارادہ بھانپ کر وہ خود ہی جلدی سے بیٹھ گئی۔ پھر اپنی طرف کا شیشہ اُتارتے ہوئے پہلی بار اس نے غور کیا کہ گزرتے ہوئے لوگوں کی نظریں آغاز کے بعد فوراً اس پر ٹھہرتی ہیں اور ان نظروں میں ترحم، تاسف، تمسخر اور جانے کیا کچھ ہوتا ہے۔ وہ کانپ کر رہ گئی۔ پتا نہیں سب کیا سمجھ رہے تھے اور اسے کوئی پرواہ نہیں تھی۔ بہت اطمینان سے بیٹھا اور دھیمی رفتار سے ڈرائیو کرنے لگا۔ وہ سخت اُلجھن میں گرفتار ہو گئی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ قریب سے گزرتے ہوئے کتنے آوارہ لڑکوں نے اسے انتہائی واہیات ناموں سے پکارا لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ نہ ہی گاڑی کی اسپیڈ بڑھائی تب اندر ہی اندر جز بز ہو کر وہ خود کلامی کے انداز میں بولی۔

"اگر اسی رفتار سے چلتے رہے تو پانچ تو راستے میں بج جائیں گے۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں۔" وہ اطمینان سے بولا۔

"کیوں......؟"

"کیونکہ آپ مجھے گھر سے نکلنے پر آمادہ کر چکی ہیں اب یہ بتائیے ان لوگوں کو میں کیسے فیس کروں جو مجھے چونک کر دیکھتے ہیں......؟ پھر مختلف ناموں سے پکارتے ہوئے گزر رہے ہیں۔"

"میرے خدا......!" وہ اس کا دُکھ محسوس کر کے بے اختیار رو پڑی۔

"ارے......!" وہ ذرا سا ہنسا۔

"یہ سب آپ کو تو کچھ نہیں کہہ رہے......؟"

"بس کریں آغا......! مجھے یہیں اُتار دیں۔" وہ سسک کر بولی تو اس نے گاڑی ایک طرف کر کے روک دی۔ وہ یہی سمجھی اس کے اُترنے کے لئے روکی ہے جب ہی دروازہ کھولنے لگی لیکن اس نے ایک بار پھر اسی طرح اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں جکڑ لیا اور قدرے رُک کر تلخ لہجے میں بولا۔

"دیکھ لیا آپ نے......! کیسے کیسے زخم لگاتے ہیں لوگ......؟ لیکن خدا کی قسم ربیعہ......! کبھی کسی زخم سے اتنی ٹیس نہیں اُٹھی جتنی ٹیس آپ کے لگائے ہوئے زخم سے اُٹھی ہے۔"

وہ ایک دم سناٹے میں آ گئی۔

"میرے ساتھ اتنا بھیانک مذاق کیوں کیا آپ نے......؟ اگر مجھے دوبارہ اسی اندھیر نگری میں دھکیلنا تھا تو میرے راستے میں چراغ کیوں جلائے......؟ یا میں ہی حد درجہ نادان تھا جو ان چراغوں کی لو آپ کی آنکھوں میں دیکھ کر کچھ اور سمجھ بیٹھا۔ نہیں ربیعہ......! آپ کو کم از کم میرے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا......؟"

وہ اسی سناٹے میں تھی کہ آنکھوں میں ڈھیر سارا پانی جمع ہو کر پلکوں سے چھلکنے لگا تو وہ ایک دم خاموش ہو کر ہونٹ بھینچ گیا۔ کتنے لمحے چپ چاپ سرک گئے اور پتا نہیں شکستگی کے احساس نے اسے بولنے نہیں دیا یا اس کی حالت کے پیشِ نظر اس نے مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس پر سے نظریں ہٹا کر سیدھا بیٹھا تو گہری سانس کھینچ کر بولا۔

"چلیں......! آپ کو گھر چھوڑ دوں......راستہ بتائیں۔"

وہ جیسے ہوش میں آ گئی۔ اشارے سے گاڑی بیک کرنے کو کہا اور ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ کر سامنے دیکھنے لگی، پھر تمام راستہ جہاں مڑنا ہوتا وہ اشارہ کر دیتی اور گھر کے سامنے بھی رُکنے کا اشارہ کیا تو وہ بھی خاموشی سے اس کے اُترنے کا انتظار کرنے لگا لیکن اُترنے سے پہلے اسے گویا گویائی مل گئی۔

"آئی ایم سوری آغا......! میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میری ذات کسی کی دل آزاری کا باعث بنے گی۔ آپ کو جو تکلیف ہوئی اس کے لئے میں کبھی خود کو معاف نہیں کروں گی۔" اس کے ساتھ ہی وہ اُتر کر اندر چلی گئی۔ اس نے بہت خاموشی سے اسے جاتے ہوئے دیکھا پھر گاڑی بیک کرتے ہوئے جانے کس خیال کے تحت بولا تھا۔

"تھینک یو ربیعہ......!"

اور وہ بے حد مضمحل اور بہت ہاری ہوئی سی اندر آئی تھی۔ اماں ننھے عذیر کو گود میں لئے اسی کی زبان میں بول رہی تھیں۔ وہ چپ چاپ دوسرے پلنگ پر بیٹھ کر انہیں دیکھنے لگی جبکہ دھیان مسلسل اسی کی طرف تھا جو ایک اس کا غم دل میں بسا کر باقی سارے غموں سے بے پرواہ ہو گیا تھا اور اچانک اسے لگا وہ پھر غلطی کر گئی ہے۔ ابھی بھی اس سے کہہ دیتی کہ اس کی آنکھوں میں جلتے چراغوں کی لو دیکھ کر جو وہ سمجھا، وہی سچ ہے۔

"ہائیں......؟ تم کب آئیں......؟" نبیلہ نے اندر آتے ہوئے اسے دیکھ کر پوچھا تو وہ اپنے خیال سے چونک کر بولی۔

"ابھی آئی ہوں۔"

"چائے پیو گی......؟"

"اگر بنی ہوئی ہے تو دے دیں بلکہ میں خود لے لیتی ہوں۔" وہ اُٹھ کر کچن میں آ گئی۔ کیتلی میں چائے گرم تھی۔ وہ کپ میں ڈال کر وہیں بیٹھ گئی اور پھر سے اسے سوچنے لگی تو وہ جیسے سامنے آن کھڑا ہوا۔

("آپ کریں گی مجھ سے شادی......؟" اُف......!)۔ اس نے زور سے آنکھیں بند کر کے دوبارہ کھولیں تب بھی وہ موجود تھا۔

("جواب دیں ربیعہ......! میرے ساتھ چل سکتی ہیں......؟") اور خود کو مجبور اور بے بس محسوس کر۔

ہوئے اس نے منہ موڑا تھا۔ بالکل غیر اختیاری عمل تھا اور وہی اس کے دل میں ترازو ہو گیا جب ہی تو کہہ رہا تھا۔ جب آپ میرا ساتھ نہیں دے سکتیں تو سمجھ لیں کوئی نہیں دے سکتا۔ اور وہ ساری مسافتیں اس کے ساتھ طے کر سکتی تھی لیکن وہی اپنی کم مائیگی کا احساس کہ وہ مڈل کلاس کی عام سی لڑکی پھر کچھ مسائل میں گھری ہوئی ہے اور اس کے والدین بھلا کہاں اسے اہمیت دیں گے۔ کاش وہ اسے بتا سکتی کہ اس نے اس کی طرف سے منہ نہیں موڑا تھا بلکہ اپنی مجبوریاں اپنی حیثیت اور کچھ مصلحتوں کو سوچتے ہوئے۔ وہ منہ موڑنے پر مجبور ہوئی تھی۔

(لیکن شاید اب تو وہ یقین بھی نہیں کرے گا......؟)۔ دکھ سے سوچتے ہوئے اس کی پلکیں نم ہو گئی تھیں۔

○○○

پھر اگلے روز باس نے خود ہی اسے گھر جانے سے منع کر دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ سنی چھٹیوں کے باعث اپنے والدین کے پاس چلا گیا ہے جبکہ آغاز کو اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ پتا نہیں وہ خود آغا کی طرف سے مطمئن ہو کر کہہ رہے تھے یا اس نے یہ بات کہلوائی تھی کہ اسے اس کی ضرورت نہیں رہی۔ وہ بہرحال نہ صرف ہرٹ ہوئی تھی بلکہ اسے بے حد دکھ بھی ہو رہا تھا۔

(ٹھیک تو ہے...... میں محض تنخواہ دار ملازم ہی تو ہوں جہاں ضرورت ہو گی وہیں بٹھائی جاؤں گی اور جب کہیں ضرورت نہیں ہو گی تو......)۔ دکھ کے ساتھ اس کے اندر ڈھیروں تلخی بھر گئی۔ اس کا دل چاہا ایک بار باس سے یہ ضرور پوچھے کہ اس کام کے لئے آخر انہوں نے اسی کا انتخاب کیوں کیا تھا......؟ کیا مجبوریاں اس کے چہرے پر لکھی تھیں......؟ لیکن وہ اتنی بھی مجبور نہیں تھی۔ کسی بھی طرح گھر کی گاڑی کو دو تین مہینے مزید کھینچا جا سکتا تھا اور اس عرصے میں وہ کہیں اور جاب حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتی لیکن پہلے ہی مقام پر باس نے اس کا گھیراؤ کر کے ایک طرح سے اسے کہیں اور جانے سے روک دیا تھا۔ آپ سمپل بی اے ہیں...... کوئی تجربہ نہیں...... نہ کوئی کام آتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور وہ یہیں اُلجھ رہی تھی کہ آخر اس کا گھیراؤ کیوں کیا گیا......؟

''شاید اس لئے کہ میں شکل ہی سے بزدل اور کم ہمت نظر آتی ہوں۔ اپنا نقصان ہونے پر کوئی سوال اُٹھانے کا حوصلہ نہیں مجھ میں۔'' کرسی کی بیک پر سر ٹکائے وہ دھیرے دھیرے بول رہی تھی۔ غالباً اسے اتنا بھی ہوش نہیں تھا کہ وہ اس وقت کہاں ہے اور یاسمین کتنی دیر سے اسے نوٹ کر رہی تھی۔ قصداً انہیں ٹوکا کیونکہ وہ کبھی کچھ بتاتی ہی نہیں تھی لیکن اب اس کی خود کلامی سن کر خاموش نہیں رہ سکی۔

''اپنے بارے میں تمہاری رائے بالکل ٹھیک ہے۔ شکل ہی سے بزدل اور کم ہمت نظر آتی ہو۔'' یاسمین نے قدرے جلے بھنے انداز میں کہا تو وہ ذرا سی گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

''مجھے تم سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ اس لئے کہ تم کسی کو اپنا نہیں سمجھتیں۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا......؟'' وہ سیدھی ہو بیٹھی۔

''ٹھیک کہہ رہی ہوں میں۔ اتنے مہینوں کے ساتھ کے باوجود تم اجنبی بنی ہوئی ہو۔ اگر تمہارے خیال میں میں تمہارے کسی کام نہیں آ سکتی تب بھی کہہ لینے سے کم از کم دل کا بوجھ تو ہلکا ہو ہی جاتا ہے...... یا تو تم میرے سامنے پریشان ہونا چھوڑ دو یا صاف بتاؤ کہ تمہارا پرابلم کیا ہے......؟'' یاسمین غالباً بھری بیٹھی تھی باقاعدہ اس کی کلاس لے ڈالی۔

''کبھی روتی شکل بنا کر بیٹھ جاتی ہو...... کبھی گم صم...... اور دھیان تو تمہارا مسلسل کہیں اور رہتا ہے۔ اگر اس طرح کام کرو گی تو بہت جلد تمہاری چھٹی ہو جائے گی...... سمجھیں تم......؟''

''جی نہیں......! باس تو میرے کام کی تعریف کر رہے تھے۔''

''جناب......! اسے اپنی نہیں میری تعریف سمجھو اور دعائیں دو مجھے کہ تمہارا سارا غلط صحیح کر کے بھیجتی ہوں۔'' وہ پھر ایک دم خاموش ہو کر یاسمین کو دیکھنے لگی تو وہ چپ کر بولی۔

''بس......! ایک تو تم پل میں حواس کھو بیٹھتی ہو۔ ذرا سا اور بولوں گی تو رونے لگو گی۔ کچھ انسان بنو ربیعہ......! اگر کسی مجبوری کے تحت گھر سے نکلی ہو تو حالات کا مقابلہ کرنا سیکھو۔ ہمیشہ یہ سوچ کر ہتھیار ڈال دینا کہ میں تو ہوں ہی بزدل اور کم ہمت، عقلمندی نہیں ہے۔'' اس نے اسی خاموشی سے سر جھکا لیا تو یاسمین کو غصے کے باوجود اس پر رحم آ گیا۔ کچھ نرم پڑ کر اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولی۔

''اگر تمہارے ساتھ کسی نے زیادتی کی ہے تو مجھے بتاؤ۔ ایمان سے سر توڑ دوں گی اس کا۔''

''نہیں تو......! میرے ساتھ کون زیادتی کرے گا بھلا......؟''

''ہاں......! تمہیں دیکھ کر تو سب کی پدرانہ شفقت جاگ اُٹھتی ہے۔'' جس بے ساختگی سے یاسمین نے کہا ایسی ہی بے ساختہ اس کی ہنسی تھی۔

''واہ......! کیا خوبصورت ہنسی ہے۔ کبھی راستے میں مت ہنسنا۔''

اور اس کی ہنسی کو بریک لگ گئے۔ یاسمین کی بات پر نہیں بلکہ گلاس وال سے پرے آغا جہانگیر کو دیکھ کر وہ جانے کب سے وہاں کھڑا تھا۔ نظریں اس پر جمی تھیں لیکن جیسے ہی اسے دیکھتے پایا فوراً پہلے نظروں کا زاویہ بدلا پھر ذرا سا رُخ موڑا اور پھر باہر نکلتا چلا گیا۔ اس کی نظروں نے دُور تک اس کا تعاقب کیا پھر یاسمین کو دیکھ کر بولی۔

''تھینک یو یاسمین......! تم نے میری بہت مدد کی باوجود اس کے کہ تمہیں مجھ سے کوئی ہمدردی نہیں۔''

''مجھے واقعی تم سے ہمدردی نہیں ہے بس ہمیشہ تمہارے گھر والوں کا خیال آیا۔ ویسے تمہارے گھر میں کون کون ہے......؟'' یاسمین نے بڑی خوبصورتی سے اس کا گھیراؤ کر لیا وہ واقعی جاننا چاہتی تھی کہ اس کے ساتھ پرابلم کیا ہے......؟

''اماں، بھابی ان کی گود میں چند ماہ کا بچہ اور میں۔'' اس نے بتایا تو یاسمین سوچتے ہوئے بولی۔

''بھابی کی گود میں چند ماہ کا بچہ ہے اور تمہارے بھیا کہاں ہیں......؟''

''ساری پریشانی بھیا کی طرف سے ہی تو ہے۔'' اس نے بھی جیسے موقع غنیمت جانا۔ اپنی پریشانیوں بلکہ دکھوں کا رُخ بھی بھیا کی طرف موڑ دیا۔ مختصر صورتِ حال کہہ سنائی۔ جسے سن کر یاسمین افسوس کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔

''واقعی یہ تو خاصی پریشانی کی بات ہے۔ پردیس کا معاملہ ہے وہاں وہ لاچار، یہاں تم لوگ بے بس۔''

''کیا کریں......؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''

''ہیں کہاں......؟''

''ملائیشیا میں۔''

"ملائیشیا......؟" یاسمین کچھ دیر تک پُر سوچ انداز میں اسے دیکھتی رہی پھر کہنے لگی۔

"میرے ایک چچا ملائیشیا میں رہتے ہیں۔ ایسا کرو تم اپنے بھائی کا نام اور جس پتے پر انہیں خط لکھتی ہو، وہ لکھ دو پھر میں چچا کو خط لکھتی ہوں۔ شاید وہ کچھ کر سکیں۔"

"تمہارے سگے چچا ہیں......؟" ایک کاغذ پر بھیا کا نام اور پتہ لکھتے ہوئے اس نے یونہی پوچھ لیا پھر کاغذ اسے تھماتے ہوئے بولی۔

"ایمان سے اگر یہ کام ہو جائے تو میں تمہارا......"

"بس بس......! زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔" یاسمین کے ٹوکنے پر وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔

○○○

"پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ اس نے اماں اور نبیلہ کو بھی بتا دیا تھا کہ یاسمین اپنے چچا کے ذریعے بھیا کی رہائی کی کوشش کر رہی ہے اور اسی روز سے وہ دونوں کسی اچھی خبر کی منتظر رہنے لگی تھیں۔ نبیلہ تو باقاعدہ دن گننے لگی تھی کہ فلاں تاریخ کو یاسمین نے خط لکھا جو فلاں تاریخ تک پہنچے گا اس کے بعد جوابی تاریخ۔ لیکن اس کے اندر کی اُداسی جوں کی توں تھی کیونکہ اس روز کے بعد سے اس نے آغا کو نہیں دیکھا تھا۔ پتا نہیں اس نے آفس آنا کیوں چھوڑ دیا تھا......؟ اور جب یہ خیال آتا کہ کہیں اس نے پھر سے تو خود کو گھر تک محدود نہیں کر لیا، اس کا دُکھ سوا ہو جاتا۔ کتنی بار سوچا باس سے پوچھے لیکن اس کی ہمت نہیں پڑی۔ اگر انہیں بتانا ہوتا تو خود سے بتاتے اس کے پوچھنے پر پتا نہیں کیا سمجھیں یہی سوچ کر رہ جاتی اور کبھی خود کو ٹوکتی کہ جب اسے اس کی ضرورت ہی نہیں رہی تو پھر وہ کیوں اس کے بارے میں اتنا سوچتی ہے لیکن یہ اس کے اختیار میں کب تھا۔ ساری سوچوں پر پہرے بٹھا سکتی تھی ایک اس کے خیال سے دامن بچانا مشکل تھا۔

○○○

دن بڑے بوجھل بڑے بے کیف سے گزر رہے تھے دل کا موسم اچھا نہ ہو تو کچھ بھی اچھا نہیں لگتا اس کے ساتھ بھی معاملہ تھا یوں لگتا جیسے سارے جہاں پر اُداسیوں کا راج ہو ایسے میں اگر کوئی راستے میں بھی ہنستا ہوا نظر آتا تو وہ چونک کر دیکھنے لگتی اس روز دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے بظاہر سرسری انداز میں یاسمین سے کہہ دیا۔

"سنو......! اتنے دنوں سے آغا جہانگیر نظر نہیں آئے۔"

"نام مت لو...... افسانہ ہو تو ل کے جن کی طرح حاضر ہو جائیں۔" اپنے تئیں یاسمین نے اسے ڈرایا لیکن وہ بڑے آرام سے بولی۔

"ایسا ہو جائے تو کیا بات ہے......؟"

"بڑی بہادر بن رہی ہو...... اس روز تو اسے دیکھ کر کہہ رہی تھیں کہ مجھے مت چھیڑنا ورنہ میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگوں گی۔" یاسمین نے اس کی نقل اُتاری تو وہ حیران ہو کر بولی۔

"یہ میں نے آغا کو دیکھ کہا تھا......؟"

"اور کیا......؟ اسی وقت تم باس کے کمرے سے آئی تھیں اور وہ بھی وہیں موجود تھا۔ پھر یہاں آیا تب بھی تمہاری سٹی گم ہو گئی تھی۔" یاسمین جو بھی اسی حساب سے کہہ رہی تھی۔ تب وہ ذرا سا ہنسی۔

"اچھا......! مجھے یاد نہیں ہے۔ بہرحال ہیں کہاں وہ......؟"

"سنا ہے باہر چلے گئے ہیں۔"

"کیا......؟" وہ جیسے تپتی دھوپ میں آ کھڑی ہوئی تھی۔ کس قدر تپش تھی۔ تن من سب جلنے لگا تھا۔

"اس میں حیرت کی کیا بات ہے......؟ بڑے لوگ ہیں دُنیا ان کی مٹھی میں......" یاسمین اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ اپنی کہے گئی اور وہ کب سن رہی تھی۔ اس کے اندر یہاں وہاں سناٹا ہی سناٹا تھا۔ بس کہیں ہلکی سی آواز تھی۔ جب آپ میرا ساتھ نہیں دے سکتیں تو سمجھ لیں کوئی نہیں دے سکتا۔ (تو کیا وہ مایوس ہو کر چلا گیا؟)۔ اچانک ہی خیال آیا اور دل میں ایسا درد اُٹھا کہ وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"کہاں جا رہی ہو......؟" یاسمین نے اسی مصروف انداز میں پوچھا۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور وہاں سے نکل کر واش روم میں آ گئی۔ بس تنہا ہونے کی دیر تھی آنکھوں کے پیمانے یوں چھلکے کہ اسے بند باندھنا مشکل ہو گیا۔ کتنی دیر تک وہ مسلسل ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتی رہی پھر واش بیسن کا نل کھول کر پانی کے چھینٹے مارے۔ آنسو رُکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا اپنے ساتھ اسے بھی بہا لے جائیں گے بڑی مشکل سے اس نے خود پر قابو پایا پھر آئینے میں دیکھا۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور ایسی حالت میں یاسمین کا سامنا کرنا اور مشکل لگ رہا تھا۔ مختلف بہانے سوچتی ہوئی واپس آئی تو یاسمین موجود نہیں تھی اس نے شکر کا سانس لیا اور جلدی سے ایک کاغذ پر اپنی اچانک طبیعت خرابی کی چند لائنیں گھسیٹ کر اس کے پیپر ویٹ کے نیچے دبایا پھر بیگ اُٹھا کر باہر نکل آئی۔ گھر میں داخل ہوئی تو ماحول کا رنگ روزانہ سے مختلف نظر آیا نبیلہ برآمدے میں کھڑی عذیر کو ہاتھوں پر اُچھالتے ہوئی اس کے ساتھ خود بھی کھلکھلا کر ہنس رہی تھی اور اماں کچن میں غالباً سوجی بھون رہی تھیں جس کی مہک پورے آنگن میں پھیلی تھی اور وہ ذہنی طور پر اتنی اَپ سیٹ تھی کہ خود سے کچھ قیاس نہیں کر سکی۔ نبیلہ کے قریب آئی اور اس سے پہلے کہ کچھ پوچھتی وہ اسے دیکھ کر تشویش سے بولی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے......؟"

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" اس نے کہتے ہوئے بے اختیار ہتھیلیوں سے آنکھیں ڈھانپ لیں۔ جو سارے راز افشا کر دیتی تھیں۔

"آؤ......! اندر چل کر لیٹو۔" نبیلہ نے عذیر کو ایک بازو میں لیا اور دوسرا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ کر اندر لے آئی تو اس نے بیٹھتے ہوا پوچھا۔

"اماں کہاں ہیں......؟"

"حلوہ بنا رہی ہیں۔"

"آج کوئی خاص دن ہے کیا......؟"

"ہمارے لئے تو خاص ہی ہے۔" نبیلہ کی شوخی پھر لوٹ آئی۔ فوراً لفافہ لا کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ وہ سمجھ گئی بھیا کا خط ہے۔ نکال کر پڑھنے لگی انہوں نے لکھا تھا کہ ایک نیک دل پاکستانی کی مدد سے وہ رہا ہو گئے ہیں اور ابھی فی الحال اسی کے ساتھ رہ رہے ہیں گو کہ ابھی بھی ان کا قیام غیر قانونی ہے لیکن بہت جلد وہ اسی شخص کی مہربانی اور کوشش سے وہیں کا پاسپورٹ بنوا لیں گے۔ اس کے بعد وہ جب تک چاہیں وہاں رہ سکتے ہیں اور

بہت زیادہ عرصہ تو نہیں پھر بھی ایک دو سال ضرور رہیں گے۔ پھر ان سب کو تسلی دی تھی کہ اب ان کی طرف سے پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے اور یہ کہ ملازمت ملتے ہی خرچ کے لئے رقم بھیج دیں گے اور واقعی یہ خوشی کی بات تھی۔ نبیلہ کھلکھلا رہی تھی۔ اماں میٹھا بنانے میں لگی تھیں اور وہ کیا کرے جس کا دل ابھی بھی خاموش تھا۔ خط بند کر کے دوبارہ لفافے میں رکھا پھر نبیلہ کو دیکھ کر بمشکل مسکرائی۔

"مبارک ہو بھابی......! اللہ نے بڑا کرم کیا ہے۔" تبھی اماں حلوہ لیے اندر چلی آئیں۔ اسے دیکھا تو تعجب سے پوچھا۔

"تم اتنی جلدی کیسے آ گئیں......؟"

"طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔"

"چلو اچھا ہوا آ گئیں...... بھائی کا خط پڑھا تم نے......؟"

اماں کس قدر خوش نظر آ رہی تھیں۔ اس نے گہری سانس کے ساتھ ہاں کہا پھر ان کے ہاتھ سے پلیٹ لے کر ایک چمچ منہ میں ڈالا اور پلیٹ نبیلہ کو تھما کر لیٹ گئی۔

"بخار ہو رہا ہے کیا......؟" اماں نے تشویش ظاہر کی۔

"ہاں......! کچھ ایسا ہی لگ رہا ہے۔"

"ابھی تو ڈاکٹر ہوگا...... دوا لے آؤں کیا......؟"

"نہیں......! شام میں دیکھیں گے بس اب میں سو رہی ہوں۔" وہ کہتی ہوئی کروٹ بدل گئی۔ تھکا ہوا ذہن تھا پھر آنکھیں بھی بھاری ہو رہی تھیں۔ جب ہی جلدی نیند آ گئی۔

پھر شام سے پہلے یاسمین کے آنے پر اماں نے اسے اٹھا دیا۔ اس وقت اس کا جسم بری طرح تپ رہا تھا۔ شاید اندر کی تپش نے باہر کی راہ دیکھ لی تھی۔ چہرہ بھی سرخ ہو رہا تھا اور یاسمین جانے کیا سوچ کر اور کس موڈ میں آئی تھی اسے دیکھ کر واقعی پریشانی ہو گئی۔

"تمہیں اچانک کیا ہو جاتا ہے......؟ صبح تو اچھی بھلی تھیں۔"

(میں کب اچھی بھلی تھی......؟) اس نے سوچا پھر اسے دیکھ کر قصداً مسکرا کر بولی۔

"بس......! جب کام کرنے کو دل نہیں چاہتا تو بیمار ہو جاتی ہوں۔"

"یہ تو اچھی بات نہیں ہے۔" یاسمین نے کہا تو اس کی ذہنی رو بہک گئی۔

"اب آپ کہیں گی یہ اچھی بات نہیں ہے۔"

"کیا اچھا ہے کیا برا۔ یہ تو میں نہیں جانتا۔" وہ اسی کی بات یاد کرتے ہوئے بے دھیانی میں دہرا رہی تھی کہ یاسمین اس کے جانتا کہنے پر زور سے ہنسی اور اس کے چونک کر دیکھنے پر معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"یہ تم جانتا کب سے ہو گئیں......؟"

"جانتا......؟" وہ اپنی بات پر غور کرتے ہوئے بولی۔

"رانجھا رانجھا کردی میں آپ ہی رانجھا ہو گئی۔"

"ہاں آں......! یہی میں تم سے پوچھنے آئی ہوں کہ کون ہے رانجھا......؟ اور کہاں ہے......؟" یاسمین

نے ہاں کو اس انداز سے لمبا کھینچا جیسے اس پر جتا رہی ہو کہ وہ واقعی اسی مقصد سے آئی ہے اور وہ بغیر چونکے بولی۔

"پتہ نہیں کہاں ہے......؟"

"دیکھو......! مجھ سے چھپانے کی کوشش مت کرو۔ آج تمہارے آنے کے بعد سے میں مسلسل تمہارے بارے میں سوچتی رہی ہوں کہ آخر تمہیں بیماری کیا ہے......؟ بیٹھے بیٹھے گم ہو جانا...... کام سے لاپرواہی...... بات بے بات پلکیں نم کر لینا اور یہ ساری باتیں ایک ہی بیماری کو ظاہر کرتی ہیں اور وہ ہے عشق...... ہے ناں......؟"

یاسمین بڑے یقین سے کہہ کر تائیدی نظروں سے اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی تو وہ افسردگی سے مسکرائی۔

"میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گی لیکن ابھی مجھ سے کچھ مت پوچھو۔" بڑی عاجزی تھی اس کے لہجے میں یاسمین نے ٹھٹک کر دیکھا پھر اس کا ہاتھ دبا کر بولی۔

"چلو...... ابھی نہیں پوچھتی۔" تبھی نبیلہ چائے لے کر آئی تو اسے دیکھ کر یاسمین پوچھنے لگی۔

"تمہارے بھیا کا کوئی خط وغیرہ آیا......؟"

"ہاں......! آج ہی آیا ہے۔" اس نے کہا پھر ساری تفصیل بتا کر احسان مندی سے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی کہ وہ بول پڑی۔

"بس......! میں نے کچھ نہیں کیا...... ایک خط ہی تو لکھا تھا چچا کو...... دنیا کے سارے کام ایسے ہی تو ہو رہے ہیں بس ایک خط لکھا جاتا ہے۔ کسی کو رہائی ملتی ہے...... کسی کو اسیری...... کسی کو نوکری اور......" یاسمین نے بھرپور قہقہہ لگایا پھر اسے چھیڑ کر بولی۔

"عقلمند ہوتی جا رہی ہو۔"

"تمہاری صحبت کا اثر ہے۔"

"میری یا......" نبیلہ کی موجودگی کے باعث اس نے فوراً بات بدل دی۔

"اچھا خیر......! اب تم جلدی سے ٹھیک ہو کر آفس آؤ کیونکہ میں تمہاری اتنی عادی ہو چکی ہوں کہ تمہارے بغیر میرا دل نہیں لگے گا۔"

"لیکن میں تو جاب چھوڑنے کا سوچ رہی ہوں۔"

"ہائیں......؟ ابھی تو میں نے تمہیں عقلمند کہا ہے پھر یہ بے وقوفی کی باتیں کرنے لگیں۔ خبردار......! گھر بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے۔" یاسمین نے پہلے اسے ڈانٹا پھر سمجھاتے ہوئے بولی۔

"کچھ نہ کرنے سے کچھ کرتے رہنا اچھا ہوتا ہے۔ یہ مت سوچو کہ اب بھیا کی نوکری لگ جائے گی تو تم آرام سے بیٹھ جاؤ گی۔ مجھے دیکھو میرے ماشاء اللہ چار بھائی ہیں۔ سب اچھا کماتے ہیں اور مجھے ماہانہ جیب خرچ بھی دیتے ہیں پھر بھی میں جاب کر رہی ہوں آخر گھر بیٹھ کر کیا کروں......؟"

"ٹھیک ہے......! پھر میں کوئی اور جاب تلاش کروں گی۔" اس نے کہا تو یاسمین چونک کر بولی۔

"کیا مطلب......؟ یہاں کیا تکلیف ہے تمہیں......؟" پھر وہ خود ہی قیاس کر کے بولی۔

"میرا خیال ہے تم آغا جہانگیر سے ڈر گئی ہو......؟"

"بکو مت......!" وہ چڑ گئی۔

"تم نے آغا کو ہوا بنا لیا ہے...... انسان ہے وہ...... اگر اس کے ساتھ کوئی حادثہ ہو گیا ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ ہم ہر وقت اس کا مذاق اُڑاتے رہیں۔"

"افوہ......! میں نے تمہیں تو کچھ نہیں کہا۔"

"اسے بھی مت کہو...... مجھے دُکھ ہوتا ہے۔" یاسمین خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ پھر کندھے اُچکا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا......! میں چلتی ہوں اور تم بھی فوراً ٹھیک ہو کر آفس آؤ باقی باتیں وہیں ہوں گی۔" وہ شاید بجھ گئی تھی خاصی مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے چلی گئی تو بیک سے کمر ٹکا کر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے آغا کا نہیں اس کا مذاق اُڑایا گیا ہے۔ تب اسے اپنے آپ پر حیرت ہوئی کہ اتنے سے وقت میں وہ کتنا فاصلہ طے کر آئی تھی کہ پیچھے مڑ کر دیکھنا محال لگ رہا تھا۔

پھر دو دن بعد سے اس نے دوبارہ آفس جانا شروع کر دیا تو وہی روٹین شروع ہو گئی۔ لیکن اب اس کا کسی کام میں دل نہیں لگتا تھا۔ گو کہ اس نے آغا کو دو تین بار ہی آفس میں دیکھا تھا پھر بھی اس کی کمی محسوس ہوتی تھی۔ یوں جیسے وہ اوّل روز سے اس کے ساتھ رہا ہو اور اب اچانک کہیں چلا گیا اور ایسا تھا تو لیکن آفس میں تو اس کا ساتھ نہیں تھا۔

یاسمین کو اس نے "الف" سے "یے" تک سب بتا دیا تھا اور اُلٹا اس کی گالیاں ہی سننے کو ملیں۔ پھر روزانہ وہ اسے سمجھانا اپنا فرض سمجھتی۔

"تم جیسی احمق لڑکی میں نے اپنی زندگی میں پہلے کہیں نہیں دیکھی۔ آغا سے ہمدردی تو کی جا سکتی ہے محبت نہیں...... چھوڑ دو اس کا خیال...... تمہارے لئے کچھ نہیں ہے۔" وہ جانتی تھی جو بھی سنے گا یہی کہے گا اور اسے خود پر اختیار نہیں تھا جبھی یاسمین کی باتیں بس سن لیتی، جواب میں ایک لفظ نہیں کہتی تھی۔

یونہی دن گزرتے چلے گئے۔ اب تو گھر کی طرف سے بھی کوئی پریشانی نہیں تھی کیونکہ بھیا جاب سے لگ چکے تھے اور انہوں نے ڈرافٹ بھی بھجوایا تھا اور اماں نے جو پہلے مجبوری کے تحت اسے جاب کرنے کے لئے کہا تھا، اب چھوڑنے کو کہتیں لیکن اب وہ چھوڑنے کو تیار نہیں تھی۔ بقول یاسمین گھر بیٹھ کر کیا کرنا ہے۔ وہ بھی یہی سوچتی کہ فراغت سے تو وقت کاٹے نہیں کٹے گا، اس سے مصروفی اچھی کہ کسی طور وقت گزر رہا تھا۔

انہی دنوں یاسمین کی شادی طے پا گئی۔ وہ خود نہ صرف حیران تھی بلکہ بڑے مزے سے بتا رہی تھی۔

"واقعی جس کام کا جو وقت مقرر کیا گیا ہے وہ اسی وقت پر ہو کر رہے گا۔ اب دیکھو میری شادی کی فکر سب کو تھی لیکن دُور دُور تک امکان نہیں تھا۔ یوں آناً فاناً رشتہ طے ہوا اور اب میں جا رہی ہوں اور ہاں میری شادی میں آنا نہیں بھولنا۔ ہو سکتا ہے وہیں کہیں تمہارا بھی چانس بن جائے۔" اس نے صرف ہنسنے پر اکتفا کیا۔

○○○

پھر یاسمین کے جانے کے بعد کچھ دن وہ اکیلی رہی اس کے بعد ایک اور لڑکی آ گئی اور اب کیونکہ وہ سینئر تھی اور اکثر واپسی میں بھی دیر ہو جاتی اور اماں اب ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گئی تھیں کہ وہ جاب چھوڑ دے کیونکہ انہیں دنوں اس کے لئے ایک اچھا پروپوزل آیا تھا جو بعد میں لڑکے نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ وہ جاب کرنے والی لڑکی سے

شادی نہیں کر سکتا۔ اپنی اپنی سوچ ہے لیکن اماں کو فکر لاحق ہو گئی کہ وہ جب تک جاب کرتی رہے گی اس کی شادی نہیں ہو سکتی اور وہ اب جلد ہی اس کی شادی کرنا چاہتی تھی۔ ادھر بھیا کے خطوں میں بھی یہی تذکرہ ہونے لگا تھا جس سے وہ پریشان ہو گئی۔

اس وقت بھی وہ کچھ ایسی ہی پریشان سوچوں میں گھری تھی کہ برابر بیٹھی لڑکی نے اسے مخاطب کر کے کہا۔

"ربیعہ......! آپ کا فون ہے۔"

"میرا......؟" وہ حیران ہوئی اور پریشان بھی کیونکہ گھر سے کبھی فون نہیں آیا تھا۔ فطری طور پر کچھ اندیشوں میں گھر کر ریسیور تھاما۔ پھر پہلے دل ہی دل میں الٰہی خیر کہنے کے بعد ہیلو کہا۔

"ہیلو ربیعہ......! کیسی ہیں آپ......؟" لگتا تھا مدتوں سے سماعتیں اسی ایک آواز کو سننا چاہتی ہیں۔ بے حد ڈھیلے ڈھالے انداز میں اس نے سر بیک سے ٹکا لیا اور رُک کر بولی۔

"السلام علیکم آغا......! آپ کیسے ہیں......؟"

"ارے......! آپ نے پہچان لیا...... ورنہ میں تو سمجھا تھا......" ہمیشہ سے مختلف اس کا لہجہ خوشگوار تھا اور جانے کیوں بات اُدھوری چھوڑ گیا۔

اس کا دل چاہا پوچھے "کیا سمجھے تھے آپ......؟" لیکن خاموش رہی اور اس نے بھی کچھ دیر غالباً اس کے اسی سوال کا انتظار کیا پھر کہنے لگا۔

"میں نے آپ کو اس لئے فون کیا کہ کل میری برتھ ڈے ہے اور آپ کو آنا ہے۔"

"اور اگر میں نہ آ سکوں......؟"

"ہر صورت آنا ہے...... سمجھیں آپ......؟" اس نے فوراً ٹوک کر تحکم سے کہا اور فون بند کر دیا تو وہ کتنی دیر تک اس کے لہجے پر غور کرتی رہ گئی۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے کس حیثیت سے بلایا ہے۔

اس رات کتنی دیر تک اسے نیند نہیں آئی۔ خود اپنی بے خبری پر حیران تھی کہ نہ اسے آغا کے باہر جانے کا پتا چلا تھا اور اب یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کب آیا ہے۔ اگر آج وہ فون نہ کرتا تو ابھی بھی بے خبر ہی رہتی۔ حالانکہ کوئی دن ایسا نہیں گزرا تھا جس میں اس کا خیال نہ آیا ہو اور ہر رات وہ اس کے تصور سے باتیں کرتے سوتی تھی۔ پھر اس کے جانے اور آنے سے بے خبر کیوں رہی۔

"مجھے کیا فرق پڑتا ہے وہ کہیں بھی رہے......؟ میری گرفت صرف اس کی پرچھائیں پر ہے۔" اس نے خود سے کہا تھا۔

اگلے دن وہ صبح اماں سے کہتی ہوئی گئی تھی کہ آج وہ دیر سے آئے گی کیونکہ اس کی برتھ ڈے میں جانا طے تھا اور سارا دن وہ اسے دینے کے لئے گفٹ سوچتی رہی لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ کیونکہ اپنی حیثیت کا تعین نہیں کر پائی تھی اور اس نے بھی واضح نہیں کیا تھا۔ دوست، ملازم یا ٹیچر۔

بہرحال آف ٹائم کے بعد بھی وہ کتنی دیر تک آفس میں بیٹھی رہی۔ جب شام کے سائے اُترنے لگے تب اس کے گھر کی طرف جاتے ہوئے اس کے دل نے جیسے پہلی بار دھڑکنا سیکھا۔ وہ نہیں جانتی تھی اس کا رویہ کیسا ہو گا اور اس نہج پر اس نے سوچا بھی نہیں، بس اسے تو یوں لگ رہا تھا جیسے کسی کھوئے ہوئے راستے کا نشان مل گیا ہو

لیکن جب اس کے گھر کے باہر گاڑیوں کی لمبی قطار دیکھی تب وہ ٹھٹک کر رک گئی۔ بنگلے پر نظر ڈالی برقی قمقموں سے جگمگا رہا تھا۔ بڑے لوگوں اور اتنی بڑی تقریب میں بھلا اس کا کیا کام......؟ یہی سوچتے ہوئے وہ شش و پنج میں پڑ گئی۔ اگر اسے انتظار ہوتا تو انتظار میں ملتا جبکہ کھلے گیٹ کے راستے پر نظر ڈالتے ہوئے اس کی آنکھیں دھندلا گئیں۔ پھر اس نے اپنے قدم واپسی کے لئے موڑ لیے۔ تبھی سنی بھاگتا ہوا اس کے پاس آیا۔

''ٹیچر......!'' وہ اس معصوم پکار پر رک گئی اور پلکیں جھپک کر آنکھوں کی دھند صاف کرنے لگی۔

''ٹیچر......! میں آپ کا انتظار کر رہا تھا، ماما نے کہا تھا آپ ضرور آئیں گی۔'' سنی نے سادگی سے کہا تو اس نے ایک نظر گیٹ کے اندر ڈال کر پوچھا۔

''تمہارے ماما کہاں ہیں......؟''

''اندر ہیں......آپ آیئے ناں......!'' سنی اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچنے لگا تو وہ جیسے اسی کی طاقت سے کھنچی چلی آئی۔ ہال کمرے میں داخل ہوتے ہی سنی یہ کہتا ہوا بھاگ گیا کہ میں ماما کو بلاتا ہوں اور وہ وہاں کے لوگوں اور ان کی سج دھج دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ یہاں رنگ و بو کا سیلاب تھا۔

''ایکس کیوز می......!'' عقب سے کسی نے کہا تو وہ اسے راستہ دینے کے لئے ہٹ کر دیوار کے ساتھ چلتی ہوئی کونے میں آ کھڑی ہوئی اور متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اتنے لوگوں کے باوجود بے ہنگم شور نہیں تھا۔ ہلکی ہلکی ہنسی، ہلکی ہلکی آوازیں اور وہ جسے ڈھونڈ رہی تھی، اس کی آواز کی بازگشت کہیں اندر سے ابھری تھی۔

(ایک عمر شور اور ہنگاموں میں گزری اور جیسا کہ آپ نے کہا تھا کہ رنگینیوں میں کھو کر انسان ٹھیک ہو گا کہنا بھول جاتا ہے تو میں بھی بھولا رہا۔ یاد اس وقت آیا جب سب ساتھ چھوڑ گئے)۔ اور وہ سوچنے لگی کہ یہ سب دوبارہ اس کی محفل میں کیسے شریک ہو گئے......؟ وہ تو بہت تنہا ہو گیا تھا۔ پھر ایک جگہ اس کی نظریں ٹھہر گئیں اور دل میں ہلکا ہلکا درد کروٹیں لینے لگا۔ شاید اس لئے کہ وہ اس سے بہت دور ہو گیا تھا۔

سرجری کے بعد اس کے چہرے پر کوئی ہلکا سا نشان بھی نہیں تھا اور وہ اسے اس کی آنکھوں اور انداز سے پہچان رہی تھی۔ ساتھ ہی بہت آہستہ آہستہ اس کے قدم دروازے کی طرف اٹھنے لگے اور ادھر ادھر سے آتی آوازیں اس کے درد میں اضافہ کر رہی تھیں۔

''آغا کو دیکھا......؟''

''پہلے سے زیادہ ہینڈسم......!''

(چھٹیوں کے باعث سنی اپنے والدین کے پاس چلا گیا ہے اور آغا کو اب آپ کی ضرورت نہیں رہی)۔ باس نے کہا تھا اور اس وقت بھی اسے دکھ ہوا تھا اور اب تو یقین بھی ہو گیا تھا کہ واقعی اسے اس کی ضرورت نہیں رہی۔ اپنے حلقے میں کس قدر خوش اور مگن نظر آ رہا تھا۔ دروازے تک آتے آتے وہ بری طرح بکھر گئی تھی۔ پھر جلدی سے باہر نکل کر آئی اور ستون کی آڑ میں رک کر اپنی آنکھیں صاف کرنے لگی لیکن دھند چھٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ تب وہ ایسی ہی دھندلائی آنکھوں سے چل پڑی۔

گیٹ سے نکل کر گاڑیوں کے درمیان سے راستہ تلاش کرتی ہوئی روڈ تک آئی تو قدموں کی رفتار تیز کر

دی۔ ایک طویل مدت بعد یوں لگا جیسے سب اس کے تعاقب میں چلے آ رہے ہوں۔ وہ بے تحاشا بھاگنے لگی۔ لیکن چند قدم ہی ڈگمگا گیا اور سنبھلتے سنبھلتے بھی وہ گر گئی۔ پکی سڑک تھی۔ ہتھیلیاں چھل گئیں اور گھٹنوں میں الگ چوٹ آئی۔ اٹھنے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ انتہائی بے بسی کے عالم میں ادھر ادھر دیکھا کسی کو مدد کے لئے پکارے تبھی ایک گاڑی قریب آن رکی۔ بیچ سڑک پر بیٹھی وہ اپنی حالت پر کڑھتی ہوئی جلدی سے دوپٹہ ٹھیک کرنے لگی کہ وہ گاڑی سے اتر کر اس کے قریب پنجوں میں بیٹھتے ہوئے بولا۔

''دیکھ لیا مجھ سے بھاگنے کا نتیجہ۔'' اس نے چونک کر سر اونچا کیا اور اسے دیکھ کر جانے کیوں سہم سی گئی۔

''اب کیوں ڈرتی ہو......؟ اب تو میں خوفناک نہیں ہوں......؟'' وہ پتہ نہیں کیا کہنا چاہتا تھا۔ وہ ہونٹ بھینچ کر اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ تب اس سے پہلے وہ کھڑا ہوا اور اس کی کلائی تھام کر اسے اٹھا دیا پھر گاڑی کا دروازہ کھول کر بولا۔

''مجھے پتہ ہے تم میرے بغیر چل سکتی ہو لیکن میں تمہارے بغیر نہیں چل سکتا۔'' وہ اسے بازو سے تھام کر گاڑی میں دھکیلتا ہوا بڑے آرام سے کہہ گیا۔ وہ ششدر اسے دیکھے گئی جو اس کی طرف کا دروازہ بند کر کے اب سامنے سے چکر کاٹ کر ڈرائیونگ سیٹ کی طرف آ رہا تھا۔ پھر اس کے برابر بیٹھا تو ایک نظر اس پر ڈال کر پوچھنے لگا۔

''اس طرح کیوں چلی آئیں......؟ مجھ سے ملے بغیر۔''

''آپ کو کیا فرق پڑتا ہے......؟'' وہ قدرے روٹھے لہجے میں کہہ کر رخ موڑ گئی۔

''بے وقوف لڑکی......! اگر فرق نہیں پڑتا تھا تو تمہارے پیچھے کیوں بھاگا چلا آتا......؟ ادھر دیکھو میری طرف۔'' وہ اس طرح بات کر رہا تھا جیسے ہمیشہ سے اس کے ساتھ اتنا ہی فرینک رہا ہو۔ وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ دل کا عجیب عالم تھا اور کچھ میں بھی نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔

''سنو......! کیا تم مجھ سے خفا ہو......؟'' قدرے توقف سے اس نے اس انداز میں پوچھا جیسے اگر وہ ہاں کہہ دے گی تو اسے بہت دکھ ہوگا اور اب وہ اسے دکھ نہیں دے سکتی تھی۔ اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

''نہیں......! میں کبھی آپ سے خفا نہیں ہو سکتی۔'' وہ بڑی دیر تک اس کے چہرے پر نظریں جمائے بیٹھا رہا پھر دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام کر پہلے ایک نظر آسمان پر ڈالی پھر اسے دیکھ کر دلنشیں مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''ٹھیک ہو گیا......! اینڈ تھینک یو رہبہ......؟'' اس کے ساتھ ہی اس نے گاڑی اس کے گھر جانے والے راستے پر ڈال دی۔

''آپ مہمانوں کو چھوڑ کر آ گئے اور یہ اچھی بات نہیں ہے۔''

''اور جو تم مجھے چھوڑ کر جا رہی تھیں یہ اچھی بات ہے......؟'' وہ محظوظ مسکراہٹ ہونٹوں میں دبا کر بولا تو وہ سر جھکا کر رہ گئی اور قدرے توقف کے بعد وہ کہنے لگا۔

''پتا ہے اس وقت تم نے مجھے کتنا مایوس کیا ہے۔ میں اس شدت سے تمہارا منتظر تھا، تمہاری راہوں میں پھول بچھانا چاہتا تھا اور تم ایسی ہی آفس سے تھکی ہاری اٹھ کر چلی آئیں ذرا حلیہ دیکھو اپنا۔ اس جلسے میں میں تمہیں اپنی مہمان خاص کے طور پر متعارف کرتا تو سوچو لوگ کیسی کیسی شکلیں بناتے اور کیسی کیسی نظروں سے دیکھتے۔''

"تو آپ کو......"

"ایک منٹ......!" وہ جانے کیا کہنے جارہی تھی کہ وہ فوراً ٹوک کر بولا۔

"کوئی بات کہنے سے پہلے اس وقت کو یاد کرلو جب لوگ میرا تمسخر اُڑاتے اور مجھے مختلف ناموں سے پکارتے ہوئے گزر رہے تھے۔اس وقت بتاؤ تم کیوں روئی تھیں......؟"

"جی......!" وہ قدرے اُلجھ کر دیکھنے لگی تو وہ ایک نظر اس پر ڈال کر بولا۔

"میں بتاتا ہوں۔تمہیں میرے دکھ نے رُلایا تھا۔تم سے میری اذیت برداشت نہیں ہوئی تھی اور اسی وقت میں نے جان لیا تھا کہ میرے دُکھ کو سینے سے لگا کر تم بہت زیادہ عرصہ مجھ سے منہ نہیں موڑ سکتیں۔تمہیں لوٹ کر میرے پاس آنا تھا اور اس سے پہلے کہ تم آتیں میں سرجری کے لئے باہر چلا گیا۔صرف تمہاری خاطر کہ اپنے ساتھ میں تمہیں اذیت میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔لوگ میرا مذاق اُڑاتے اور روتیں تم......اور ربیعہ......! میں ہمیشہ تو تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا تھا۔" قدرے توقف کے بعد پھر کہنے لگا۔

"بہرحال......! جیسے تم نے میرے دُکھ کو محسوس کیا تو ابھی لوگوں کے روّیے سے تمہیں جو دُکھ ہوتا، وہ مجھے مار ڈالتا۔نہیں ربیعہ......! میں ہرگز کسی کو تمہاری طرف ایسی نظر نہیں ڈالنے دوں گا جس میں تمہارے لئے تحقیر کا ہلکا سا شائبہ بھی ہو۔البتہ رشک اور حسد پر میں پہرے نہیں بٹھا سکتا......سمجھیں تم......؟" اور وہ سب سمجھ گئی تھی۔یہ بھی کہ اس نے کس حیثیت سے اسے بلایا تھا اور اس لحاظ سے تو واقعی اس کا حلیہ ٹھیک نہیں تھا۔

"اور سنو......!" وہ اس کے گھر کے سامنے گاڑی روک کر بولا۔

"ابھی تمہیں دوبارہ میرے ساتھ چلنا ہے۔"

"اس وقت......؟" اس نے قدرے گھبرا کر پھیلاتی تاریکی کو دیکھا۔

"ہاں......! کیونکہ میں سب کو بہت تجسس اور انتظار میں چھوڑ آیا ہوں۔جاؤ جلدی سے چینج کرکے اور فریش ہو کر آؤ۔"

"نہیں......! اماں اجازت نہیں دیں گی۔"

"چلو......! ان سے میں بات کرتا ہوں۔" وہ بڑے آرام سے کہتے ہوئے اُترنے لگا تو وہ کچھ سہم کر بے اختیار اس کا بازو تھام گئی۔

"نہیں آغا......! میں نے ابھی گھر میں آپ کا ذکر نہیں کیا۔"

"کوئی بات نہیں......میں اپنا تعارف خود کروادوں گا۔"

وہ اس کی سہمی ہوئی آنکھوں میں دیکھ کر دلکشی سے مسکرایا۔پھر اپنا بازو چھڑا کر نیچے اُتر گیا اور اس کے اُترنے کا انتظار کئے بغیر دروازے کی طرف بڑھا۔پھر ہلکی سے دستک کے بعد اندر داخل ہوگیا۔بالکل اسی طرح جیسے اس کے دل میں داخل ہوا تھا اور جس طرح وہ اسے دل سے نہیں نکال سکی اس کے اعتماد اور یقین پر وہ ذرا سا مسکرائی پھر اس کے پیچھے آتے ہوئے احساسِ تشکر میں گھر کر زیرِ لب بڑبڑائی تھی۔

"تھینک یو گاڈ......!"

ө ө ө